جلب المنفعة فی الذب عن الأئمة المجتهدین الأربعة

کا اردو ترجمہ

ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنّت کی اتّباع

تالیف

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ

۱۲۴۸ھ ۱۳۰۷ھ

ترجمہ وتحقیق

مولانا محمد اعظمی

سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ مئوناتھ بھنجن، یوپی

مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی

جلب المنفعة فی الذب عن الائمة المجتهدین الأربعة

کا

اردو ترجمہ

ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع

تالیف

شیخ الاسلام نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ

۱۲۴۸ھ - ۱۳۰۷ھ

ترجمہ وتحقیق

مولانا محمد [illegible]

سابق شیخ الجامعہ جامعہ عالیہ عربیہ

مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن یو.پی

نام کتاب: جلب المنفعة في الذب عن الأئمة المجتهدين الأربعة

مؤلف: امام نواب صدیق حسن خاں حسینی بخاری رحمہ اللہ

ترجمۂ کتاب: ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع

ترجمہ وتحقیق: مولانا محمد اعظمی

تعداد: ایک ہزار ایک سو

طبع اول: محرم الحرام ۱۴۳۰ھ = جنوری ۲۰۰۹ء

طابع وناشر: مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن

کمپوزنگ: جمال کمپیوٹر، ڈومن پورہ، مئو
Mob 9236733457

صفحات: 160

قیمت: =/75 روپے

باهتمام

Maktaba Al- Faheem
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road
Sadar Chowk Mau Nath Bhanjan(U.P)
Phone: 0547-2222013(S) Mob. No. 9236761926 / 9889123129

فہرست مضامین

● ● ●

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض ناشر

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی رحمہ اللہ تعالیٰ کے علمی وتالیفاتی خزانے میں بعض وہ ہیں جو ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں اور بعض متوسط یا مختصر کتابوں ورسالوں کے قالب میں معانی کی جامعیت کا شاہکار ہیں۔لیکن المیہ یہ ہے کہ اہل علم،نواب صاحب کے علمی خزانے سے فیض یاب ہونے اور فیض پہنچانے کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دے سکے،نواب صاحب جس حالت میں اپنا علمی و دینی سرمایہ چھوڑ گئے تھے،تقریباً اسی طرح پڑا رہا،یا بے قیمت شے کی طرح ادھر سے ادھر ہوتا رہا۔اس بے التفاتی کی دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں۔

اول یہ کہ نواب صاحب کے وارثین اور دوسرے جوہر شناسوں وقدردانوں کے پاس اتنے وسائل نہیں تھے جو اس عظیم علمی ذخیرہ کی کما حقہ حفاظت اور اشاعت کرسکیں،دوسری بات یہ کہ علمی سطح اور دینی ذوق میں اس قدر انحطاط آتا گیا کہ لوگوں کی فہم خالص علمی کتابوں کی متحمل نہ ہوسکی،اوران کی علمی دلچسپی عام ذوق سے آگے نہ بڑھ سکی،نتیجہ یہ ہوا کہ نواب صاحب کا علمی وقیمتی ترکہ بے توجہی کا شکار ہوکر منتشر ہوتا گیا،اورجن قدردانوں کو اب اس میں کوئی حصہ کہیں سے میسر ہوتا ہے تو اس کی حالت اس قدر بوسیدو خستہ ہوتی ہے کہ اس سے استفادہ کی کوشش انتہائی مشکل ہوتی ہے۔

الحمدللہ طویل خاموشی اور شدید جمود کے بعد چند دہائیوں سے علمی دنیا میں حرکت و

تموج کا موسم بہار آیا، اور نئی تخلیقات کے ساتھ قدیم اسلامی سرمایوں کی تجدید کاری کا عمل بھی شروع ہوا، اسی طرح مخطوطات اور نایاب تالیفات و مسودات کی جستجو اور ان کی تحقیق، تہذیب و تعلیق کو عصر حاضر کی علمی سرگرمیوں میں نمایاں مقام حاصل ہو گیا ہے، پہلے وسائل کی قلت سے ان علمی سرمایوں و ترکوں کی طباعت و اشاعت ایک کٹھن مسئلہ تھا، لیکن الحمدللہ اس ترقی یافتہ دور میں یہ مشکلات آسان ہو گئیں، اب ہر قدیم و جدید علمی خدمات بہت جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ جاتی ہیں۔

علمی و اسلامی ترکوں کے احیاء یا ان کی نشأۃ ثانیہ کے اس زریں دور میں نواب صاحب کی تالیفات بھی تجدید اشاعت کی کوششوں سے ہم کنار ہو رہی ہیں، یوں تو ان کی دینی و علمی خدمات کا دائرہ اس قدر وسیع و طویل ہے کہ اب تک حتمی طور پر ان کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے، اور نہ ان میں سے باقیات کہیں یکجا طور پر موجود ہیں، پھر بھی اس علمی بیداری اور روز افزوں ترقی کے دور میں نواب صاحب کی متنوع علوم وفنون میں تالیفات کی طلب اور ان سے استفادہ کی ضرورت شدت سے محسوس کی جا رہی ہے، اس لئے علمی مراکز ان کی تجدید، تہذیب، تحقیق، ترتیب اور عصر حاضر کے معیار طباعت و اشاعت کی طرف خصوصی توجہ دے رہے ہیں۔

مکتبہ الفہیم، مئوناتھ بھنجن، یو. پی بھی اپنی بساط کے مطابق سلف کی قلمی خدمات کے احیاء اور اشاعت کی کوشش کر رہا ہے، اس کی جانب سے اب تک کی اہم مطبوعات میں صحیح بخاری مع تعلیق شیخ بن باز (مجلدات) تحفۃ الاحوذی مع مقدمہ شرح سنن ترمذی (مجلدات) ریاض الصالحین مترجم (مجلدین) تفسیر ابن کثیر مترجم (مجلدات) فقہ الحدیث (مجلدین) وغیرہ جیسی کتب مصادر و مراجع بھی شائع ہو کر طالبین و شائقین کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں، اور اہل علم کی ضرورتیں پوری کر رہی ہیں، کتابوں کی طباعت و اشاعت کے سلسلے میں جن کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، ان کو وہی لوگ سمجھتے ہیں، جو اس شغل سے وابستہ ہیں اور عملی طور پر اس راہ کی مشکلات

جھیلتے ہیں۔اللہ تعالیٰ کا شکرو احسان ہے کہ مکتبہ الفہیم ، مئو اپنی نوعمری اور کم مائیگی کے باوجود بلند پایہ ضخیم علمی کتابوں کی نشر و اشاعت سے علمی حلقوں اور مرکزی مکتبوں میں ایک نمایاں پہچان بن گیا۔

یہ مکتبہ نواب صدیق حسن خاں رحمہ اللہ کی بھی بعض تالیفات محققین کی تحقیقات و تخریجات کے ساتھ نئے تقاضوں کے مطابق شائع کر چکا ہے، ماضی قریب میں مکتبہ نے مولانا محمد جونا گڈھیؒ کی نایاب کتابیں بالخصوص ''محمدیات'' کی تحقیق وتخریج اور تعلیق وغیرہ سے مزین ومکمل سیٹ تیار کر کے احیاء التراث الاسلامی کا جو عملی نمونہ پیش کیا، اور اس کی غیر معمولی پذیرائی ہوئی اس سے مکتبہ کو یہ حوصلہ ملا کہ وہ اس عمل کو مزید تیز گامی سے جاری رکھے، اس لئے مکتبہ نے نواب صاحب کے علمی ترکے کو قابل استفادہ بنانے کی مہم میں شامل ہو کر اپنی استطاعت کے مطابق اہل علم وتحقیق کی جانب سے نواب صاحب کی جو کتابیں تحقیق وتخریج اور ترجمہ وتسہیل کے روپ میں دستیاب ہو رہی ہیں، ان کی طباعت واشاعت کے لئے اپنے دائرہ کار کو وسیع کر دیا ہے۔

اس وقت زیر اشاعت کتاب ''ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع'' نواب صاحب کی معرکۃ الآراء کتاب ''جلب المنفعة في الذب عن الائمة المجتهدين الاربعة'' فارسی کا اردو ترجمہ ہے، مترجم/مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث جامعہ عالیہ عربیہ، مئو نے اپنے مقدمہ مں اس کا تعارف جس انداز سے پیش کیا ہے، اس سے کتاب مذکور کے مقاصد سمجھنے میں اس کا مطالعہ کرنے والوں کو آسانی اور مدد حاصل ہوگی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس کتاب کی اہم اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں اسلامی فرقوں کو کتاب و سنت پر عمل کے ذریعہ اتحاد امت کی خیر خواہانہ دعوت اور حکیمانہ پیغام دیا گیا ہے، جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔

مکتبہ الفہیم، مئو مولانا محمد اعظمی حفظہ اللہ کا شکر گزار ہے کہ فارسی زبان کی

اس کتاب کا اور اس میں منقول آیات واحادیث، نیز ائمہ کے عربی اقوال کا سہل و بامقصد ترجمہ اور ان کی تخریج وتحقیق کر کے کتاب کی افادیت میں کئی ناحیوں سے اضافہ کیا ہے، ترجمہ اس لحاظ سے زیادہ قابل قدر ہے کہ موجودہ دور میں فارسی زبان اس قدر متروک ہوتی جارہی ہے کہ قدیم فارسی کتابوں کو اردو یا عربی کا جامہ پہنانے والے بمشکل دستیاب ہوتے ہیں۔ فارسی دانی کا قحط اس المناک مرحلے تک پہنچ گیا ہے کہ فارسی میں نوشتہ اسلامی ذخیرہ تلف ہوتا جارہا ہے۔عربی قواعد کی جو کتابیں فارسی میں ہوا کرتی تھیں، وہ سب متروک ہو کر یا اردو میں منتقل ہو کر خارج نصاب ہوگئی ہیں، اس لئے عربی دانی کے ساتھ فارسی دانی کا جو معمولی سا تعلق تھا وہ بھی ختم ہو گیا۔

مکتبہ الفہیم کے ساتھ مولانا اعظمی کے مخلصانہ تعلق اور قیمتی مشوروں سے علمی ودعوتی اور اشاعتی امور میں بہت کچھ رہنمائی حاصل ہوتی ہے، جب کبھی مکتبہ نے کسی علمی نگارش کے لئے ان کی طرف رجوع کیا تو انھوں نے اپنی معذوریوں کے باوجود کبھی مایوس نہیں کیا ہے۔

جزاہ اللہ خیرا.

ناشر

☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين۔

تیرہویں صدی ہجری کے مجدد علامہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی قنوجی رحمہ اللہ تعالی کی علمی و دینی خدمات جلیلہ اوران کے تجدیدی کارنامے محتاج تعارف نہیں ہیں، انہوں نے امت اسلامیہ کے لئے جو عظیم ونادر علمی خزانہ فراہم کیا ہے وہ اس قدر متنوع اور کثیر القدر ہے کہ محققین آج تک یقینی طور سے اور مکمل طور پر اس کا احصاء کرنے سے معذور ہیں، ان کی تالیفات جن علمی لعل وگہر سے مرصع ہیں افسوس اہل علم نے ان کو پہچانا نہیں، اوران کی ناقدری اوراپنی بے ذوقی کا ثبوت دیا، مزید یہ کہ ان کی حفاظت اوراشاعت سے مجرمانہ بے اعتنائی برتی، لیکن الحمدللہ ماضی قریب سے احیاء التراث کی حس بیدار ہونا شروع ہوگئی ہے، اوران کی کوششوں سے بعض کتابیں جدید تقاضوں کے مطابق معیاری طباعت سے آراستہ ہوکر شائع ہورہی ہیں، ادارۃ البحوث الاسلامیۃ، جامعہ سلفیہ بنارس، جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت اور بعض پاکستانی مکتبات نے اس میدان میں قابل تحسین ولائق تبریک پیش رفت کی ہے، اللہ تعالی مزید توفیق عطا فرمائے۔

جمعیۃ احیاء التراث الاسلامی کویت میں محترم فضیلۃ الشیخ عارف جاوید محمدی حفظہ اللہ تعالی برصغیر کے مندوب ہیں، اور احیاء التراث کے عمل میں بہت نشیط اور سرگرم ہیں، ان کی سلفیت قابل رشک ہے، عربی ریاست اور عربی جمعیۃ میں رہتے ہوئے ان کے دل میں برصغیر کے سلفی علماء کی قلمی وعلمی نقوش کی اشاعت نو کے لئے سچی لگن وتڑپ ہے، ان کی

مخلصانہ مساعی سے نواب صاحب کی بعض کتابیں زیور طباعت واشاعت سے آراستہ ہوتی رہتی ہیں، جزاہ اللہ خیرا، وجعل سعیہ مشکورا۔

نواب صدیق حسن صاحب کی تالیفات عربی، فارسی اور اردو ہر سہ زبان میں ہیں، ان میں سے بیشتر پہلی اشاعت کے بعد دوبارہ طباعت واشاعت سے محروم ہیں، بالخصوص فارسی زبان میں لکھی گئی کتابوں کے ساتھ یہ سانحہ زیادہ پیش آیا ہے، اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ نواب صاحب کے زمانے میں اردو کی طرح فارسی بھی مروج تھی، اسی لئے ایک صدی پہلے کے مؤلفین فارسی میں بھی ترجمہ وتالیف کی خدمت انجام دیا کرتے تھے، نواب صاحب کے علمی کمالات میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کو اردو سے زیادہ عربی وفارسی پر قدرت ومہارت حاصل تھی، یہ حقیقت ان کی کتابوں کا مطالعہ کرنے والوں سے مخفی نہیں ہے، اور اس کا اعتراف بلند پایہ اہل علم نے کیا ہے۔

چند ماہ پہلے محترم مولانا عارف جاوید محمدی نے راقم الحروف سے نواب صاحب کی فارسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب "جلب المنفعة فى الذب عن الأئمة المجتهدين الأربعة" کا اردو میں ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی، فارسی کا لفظ سن کر ہمارے اوسان خطا ہوگئے، وہ بھی ہم جیسے طفل مکتب کے لئے، بہر حال لیت ولعل کے بعد آں محترم نے کتاب کی فوٹو کاپی بھیج دی، اس نسخہ کے آخری صفحہ پر سن تالیف ۱۳۰۰ھ = ۱۸۸۳ء درج ہے۔

آں موصوف کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ہم نے اللہ کا نام لے کر ترجمہ کا کام شروع کردیا، جہاں گاڑی پھنستی مولائے کریم سے فریادی ہوتے اور گاڑی کھسک جاتی، یہ بھی بتاتے چلیں کہ نواب صاحب کی اردو بالخصوص فارسی زبان میں تالیفات کا مشکل ترین پہلو یہ ہے کہ عبارات میں تتابع اضافات اور کثرت صفات کا سلسلہ لگا تار سطر سطر تک چلتا رہتا ہے، اسی طرح مبتدا اور خبر کے درمیان طویل فاصلے فہم معنی ومراد کو بہت زیادہ مغلق ومشکل کردیتے ہیں، زیر ترجمہ کتاب میں ایک اور بڑی مشکل چیز یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے اس کو منطقیانہ ومتکلمانہ رنگ میں لکھا ہے، تقلیدی مذاہب کے ساتھ خوب مناظرانہ بحث

کی ہے، اور انہیں کے دلائل سے ان کا رد وابطال کیا ہے، اس لئے اس قسم کے مباحث کو سمجھنے کے لئے فقہی اور منطقی ذہن سازی کی ضرورت ہے۔

اس کتاب میں مؤلف رحمہ اللہ نے پہلے ائمہ اربعہ کا خوب دفاع کیا ہے، اور بتایا ہے کہ ان کے جو اقوال خلاف حدیث ہیں ان میں وہ معذور ہیں، اور اس معذوری کے دس اسباب ذکر کئے ہیں، اور ہر ایک سبب پر تفصیلی بحث کی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اسباب مذکورہ کی وجہ سے معذور اور اجتہاد کرنے پر مجبور تھے، وہ اپنی اجتہادی خطاؤں پر بھی ماجور تھے، دوسرے یہ کہ انہوں نے بالاتفاق تقلید سے منع کیا ہے، اور تاکید سے کہا ہے کہ صحیح حدیث معلوم ہو جانے پر ان کا قول ترک کر دیا جائے، لیکن مقلدین ان کی ہدایت کی مخالفت کر رہے ہیں، کیونکہ احادیث رسول مدون ومجموع ہونے کے بعد یہ لوگ اپنے ائمہ کے خلاف سنت قول وعمل پر اڑے رہتے ہیں، اس لئے یہ اپنے ائمہ کی طرح معذور نہیں ہیں، بلکہ مازور (گنہگار) ہیں۔

ائمہ اربعہ کا دفاع کرنے کے ساتھ ان کے اور جماعت اہلحدیث ومحدثین کے مناقب وفضائل بیان کئے ہیں، پھر مقلدین اور ان کے مخالفین کے درمیان جو لعن طعن، تنابز بالالقاب، الزام تراشی اور تکفیر وتفسیق کی گرم بازاری رہتی ہے، اس پر سخت نکیر کی ہے، قرآن وحدیث کے حوالے سے تنبیہ کی ہے کہ یہ گفتار وکردار ایسا سنگین جرم ہے جس پر شدید وعیدیں آئی ہیں۔

کتاب کے اخیر حصے میں جماعت اہلحدیث کا بھی دفاع کیا ہے کہ مقلدین کی طرف سے ان پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ائمہ کرام کی تحقیر اور ان کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اس کے جواب میں کسی قدر تفصیلی وتحقیقی بحث کی ہے، اور حقائق سے پردہ اٹھاتے ہوئے یہ سارے الزامات مقلدین پر الٹ دیئے ہیں۔

بہرحال کتاب مذکور ائمہ کے دفاع اور سنت کی اتباع کے بارے میں بہت ہی مدلل اور نقلی وعقلی حجتوں سے مزین ہے، اور اتباع وتقلید کے درمیان مبنی برانصاف قول فیصل ہے،

اگر اس کو غور وفکر اور فقہ وتدبر کے ساتھ پڑھا جائے تو اس اعتراف کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ اصل دین کتاب وسنت ہی میں منحصر ہے، اور انہیں دونوں پر عمل انسان کی فلاح ونجات کا مدار ہے۔

ہم نے حتی المقدور کتاب کا ترجمہ سہل انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے، ساتھ ہی اس کے محتویات ومضامین کی فہرست تیار کرکے اس میں شامل کردی ہے، مزید یہ کہ نصوص کی مختصر تخریج اور مصادر کی نشاندہی بھی کی ہے۔ ہم اس ترجمہ وتخریج میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، اس کا فیصلہ اہل علم ہی کرسکتے ہیں۔

شہر مئوناتھ بھنجن، یو. پی. کا نوخیز علمی ادارہ جو "مکتبہ الفہیم" کے نام سے ملکی پیمانے پر شہرت پذیر ہے، اور علمی وتحقیقی کتابوں کی نشر واشاعت میں اس وقت دوسرے قدیم مکتبات سے سبقت لے جارہا ہے، یہ بھی نواب صاحب کی بعض نوادر کی اشاعت میں شریک کار ہے، اس کی طرف سے کچھ بڑی قیمتی کتابیں پہلے بھی تحقیق وتجدید کے لباس سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آچکی ہیں، اب مزید مستعدی وسرگرمی سے نواب صاحب کے جن علمی شاہکاروں کو نئے پیرہن میں پیش کرنے کا اہتمام کررہا ہے، ان میں یہ کتاب "ائمہ اربعہ کا دفاع اور سنت کی اتباع" بھی شامل ہے۔ واللہ ولی التوفیق.

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کتاب کو مفید عام اور مقبول انام بنائے، اور اس کے مؤلف، مترجم اور ناشر کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

العبد الفقیر لرحمۃ اللہ القدیر

محمد اعظمی

مئوناتھ بھنجن، یوپی، انڈیا

۲۵/۱/۱۴۲۸ھ

۱۴/۲/۲۰۰۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ علیٰ آلائہ والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم أنبیائہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وعلمائہ وأولیائہ، صلاۃ وسلاما دائما إلی یوم لقائہ۔ امابعد:

ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اللہ اور رسول کی محبت کے بعد مسلمانوں کے علماء مجتہدین اور اولیاء صالحین کی محبت اختیار کرے، خاص کر ان علماء اور ائمہ سے محبت رکھنی چاہئے جو پیغمبروں کے وارث ہیں، آسمان کے تاروں کی طرح خشکی اور تری کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتے ہیں، مخلوق کے سامنے ہدایت کے دروازے کھولتے ہیں، اور ان کی روایت ودرایت پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، کیونکہ خاتم رسل ﷺ کی بعثت سے پہلے جو امتیں تھیں ان کے علماء بدترین لوگ تھے، مگر ملت اسلامیہ کے علماء بہترین لوگ ہیں، جس طرح کہ یہ امت تمام امتوں میں افضل ومعتدل ہے، اور اس امت کے علماء کا مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے خلفاء کے مرتبہ جیسا ہے، جب کبھی رسول اللہ ﷺ کی سنت مطہرہ مردہ ہونے لگتی ہے تو اس کو یہ علماء زندہ کرتے ہیں، اور اسلام کے جسم میں تازہ روح پھونکتے ہیں، انہیں سے کتاب اللہ قائم ہے، اور کتاب اللہ سے یہ لوگ قائم ہیں، انہیں سے سنت رسول کا بول بالا ہے، اور سنت سے ان کا بول بالا ہے ؎

فلولا الھوی ما عرفناھم ولولا ھم ما عرفنا الھوی

(اگر محبت نہ ہوتی تو ہم انہیں کیسے پہچانتے اور اگر وہ نہ ہوتے تو ہم محبت سے ناواقف رہتے)۔

نزد من ہر شب نسیم صبح را آمد شد ست
از تو پیغام آورد واز من برد آرام را

(میرے پاس ہر رات نسیم صبح کی آمد ورفت رہتی ہے، تمہاری طرف سے پیغام لاتی ہے، اور میری جانب سے خیریت لے جاتی ہے)۔

اماماں دین جیسے چاروں ائمہ مجتہدین اور دوسرے بلند پایہ علماء حدیث جن کی مقبولیت کے آگے امت سرنگوں رہتی ہے، ان میں کوئی ایسا نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث اور سنت کی مخالفت کا اعتقاد دل میں رکھتا رہا ہو، چاہے معمولی سنت ہو یا بڑی، اور چاہے حدیث کثیر ہو یا قلیل، سب ہی ائمہ اور محدثین اتباع رسول کے وجوب پر اور اس بات پر متفق رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ہر شخص کی حیثیت ایسی ہے کہ اس کی بات قبول کی جاسکتی ہے اور ترک بھی کی جاسکتی ہے۔

ترک حدیث کے اعذار واسباب

لیکن اگر کسی کا قول صحیح حدیث کے خلاف ہو تو ضرور اس کے نزدیک اس حدیث کے ترک کرنے کے بارے میں کوئی عذر ہوگا، ان تمام عذروں کے جامع تین قسم کے عذر ہیں، ایک یہ کہ اس کے فرمان رسول ہونے کا اعتقاد نہ ہو، دوسرے یہ کہ اس حدیث سے مراد قول ہو، اس سے کوئی مسئلہ یا حکم مقصود نہ ہو، تیسرے یہ کہ حدیث میں مذکور حکم کے منسوخ ہونے کا اعتقاد ہو۔

ان تینوں اعذار کے کئی اسباب ہوتے ہیں، ان کو نمبروار بیان کیا جارہا ہے:

پہلا سبب:

ترک حدیث کے عذر کا پہلا سبب یہ ہے کہ امام کو وہ حدیث پہنچی نہیں ہے، اور جس کا حال ایسا ہو وہ اس حدیث کے مقتضی کے مطابق عمل کرنے کا مکلّف نہیں ہے، کیونکہ جس مسئلہ میں حدیث نہ پہنچنے کی بنا پر ظاہر آیت یا دوسری حدیث یا قیاس یا استصحاب کے بموجب امام نے بات کہی ہے، تو وہ اس متروک حدیث کے موافق ہوگی اور کبھی مخالف، سلف کے بہت سے اقوال جو بعض احادیث کے مخالف پائے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر یہی سبب کارفرما ہوتا ہے، اس لئے کہ امت میں سے کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام احادیث کا احاطہ کرنے پر قدرت واستطاعت حاصل نہیں ہوسکی ہے۔

دیکھو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوئی بات بیان کرتے، فتوی دیتے، فیصلہ فرماتے اور کوئی کام

انجام دیتے تھے تو جو شخص اس وقت آپ کی بارگاہ میں موجود ہوتا وہ سنتا دیکھتا، اور ان چیزوں کو دوسروں تک پہنچاتا تھا، یہاں تک کہ علمائے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور جن لوگوں تک اللہ چاہتا وہ سب پہنچ جاتی تھیں، اسی طرح دوسری مجلس میں بھی حدیث، فتوی، قضاء اور کوئی فعل آپ ﷺ سے واقع ہوتا تھا تو پہلی مجلس میں جو لوگ غیر حاضر تھے اس دوسری مجلس میں حاضری سے مشرف ہوتے، اس صورت حال کی بنا پر پہلی مجلس والوں کے پاس جو علم ہوتا وہ ان کے پاس نہیں ہوتا، اور جو علم ان کے پاس ہوتا وہ پہلوں کے پاس نہیں ہوتا، اسی وجہ سے صحابہ اور ان کے بعد والے علماء کے درمیان جو فرق مراتب تھا وہ علم کی کثرت یا جودت کے اعتبار سے تھا، رہا افراد امت میں سے کسی کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث کے احاطہ کا دعوی کرنا ہرگز ممکن نہیں ہے۔

عنقا شکار کس نشود دام باز چیں

کاینجا ہمیشہ باد بدست ست دام را

(عنقا پرندہ کسی کا شکار نہیں ہوتا او شکاری جال لپیٹ لو، کیونکہ یہاں پر ہمیشہ جال کو صرف ہوا ہاتھ آئی ہے)

خلفاء راشدین وغیرہم

یہاں پر خلفاء راشدین اور دوسرے بزرگ صحابہ کے حال سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ امت میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کے احوال شریفہ، سنت مطہرہ اور امور کریمہ کے جاننے والے تھے، اس کے باوجود ان امور کے احاطہ کی چوٹی پر پہنچنے سے قاصر رہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل امت ہیں، جو سفر اور حضر میں آپ کا ساتھ نہیں چھوڑتے تھے، اور بیشتر اوقات آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے پاس مسلمانوں کے مسائل کے بارے میں گفتگو کیا کرتے، بلکہ ہر قسم کی باتیں کرتے اور سنتے تھے۔ یہی حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تھا، آں حضرت ﷺ اکثر

فرماتے تھے:

"دخلت أنا وأبوبكر وعمر، وخرجت أنا وأبوبكر وعمر، ذهبت أنا وأبوبكر وعمر، وجئت أنا وأبوبكر وعمر."

(میں اور ابوبکر وعمر اندر گئے، میں اور ابوبکر وعمر باہر نکلے، میں اور ابوبکر وعمر گئے اور آئے)۔

اس بلندی مرتبہ کے باوجود جب لوگوں نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جدہ (دادی) کی میراث کے بارے میں دریافت کیا تو کہا تمہارے لئے اللہ کی کتاب میں کچھ نہیں ہے، اور سنت میں بھی مجھے معلوم نہیں ہے، لیکن لوگوں سے دریافت کروں گا، جب دریافت کیا تو مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ نے گواہی دی کہ آنحضرت ﷺ نے جدہ کو سدس (⅙) حصہ دیا ہے، یہ حدیث عمران بن حصین کو بھی پہنچی ہے، حالانکہ یہ تینوں صحابہ ان دو بزرگ وار (ابوبکر وعمر) اور دوسرے خلفاء نامدار کے مرتبہ تک پہنچنے سے قاصر ہیں، لیکن حدیث مذکور کے علم میں ان تینوں کو اختصاص حاصل ہے، اور اس حدیث پر امت نے بالاتفاق عمل کیا ہے، کذا فی رفع الملام واعلام الموقعین والحجۃ البالغۃ والایقاف۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

اسی طرح دیت جنین کی حدیث حضرت عمر رضی اللہ کو معلوم نہیں تھی، مغیرہ بن شعبہ نے ان کو اس سے خبردار کیا تھا، جیسا کہ سنن ابی داود، مسند دارمی، ارشاد الساری، حجۃ اللہ البالغۃ اور دراسات اللبیب میں مذکور ہے، یہی حال دیت اصابع (انگلیوں کی دیت) کی حدیث سے ناواقفیت کا تھا، حضرت عمر بعض انگلیوں کی دیت زیادہ اور بعض کی کم مقرر کیا کرتے تھے، چنانچہ انہوں نے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کی دیت پچیس اونٹ ادا کرنے کا حکم دیا تھا، لوگوں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام انگلیوں کے درمیان برابری کا حکم دیا ہے، (یعنی ہر چھوٹی بڑی انگلی کی دیت دس دس اونٹ ہیں) یہ سنتے ہی حضرت عمر نے اپنے قول کو چھوڑ کر حدیث کی طرف رجوع کر لیا، جیسا کہ اعلام، مسلم الثبوت، دراسات اور ایقاف میں مذکور ہے۔

ایک اور حدیث جو مجوس سے جزیہ لینے کے بارے میں ہے، اسے بھی حضرت عمر نہیں جانتے تھے، یہاں تک کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ان کو اس حدیث کی خبر دی، جیسا کہ موطا اور اس کی شرح زرقانی، اعلام اور حجۃ اللہ البالغۃ میں مذکور ہے، ایسے ہی یہ حدیث کہ شوہر کی دیت میں بیوی کو حق وراثت حاصل ہے، حضرت عمر اس سے لاعلم رہے اور کہتے تھے کہ دیت کے وارث اس شوہر کے اولیاء ہیں، جب ضحاک بن سفیان کلابی بدوی نے ان کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو حکم دیا تھا کہ اَشیَم ضبابی کی بیوی کو اس کے شوہر کی دیت میں سے وراثت دی جائے، یہ معلوم ہوتے ہی حضرت عمر اپنی رائے چھوڑ کر حدیث کی طرف پلٹ گئے، اور کہا: اگر میں یہ حدیث نہیں سنا ہوتا تو اس کے خلاف حکم کرتا، جیسا کہ سنن ابی داود، رفع الملام، اعلام، مسلّم، غایۃ التحقیق اور ایقاف میں مذکور ہے۔

ایک دوسری حدیث جس کا تعلق طاعون والی سرزمین میں آنے جانے سے ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر مقام ''سرغ'' (سرغ، وادی تبوک کی ایک بستی کا نام ہے جو شام کے راستے میں واقع ہے، بعض لوگوں کا قول ہے کہ مدینہ منورہ سے تیرہ مرحلے پر واقع ہے) میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ شام میں طاعون کی بیماری ہے، آپ نے اپنے ہم سفر مہاجرین اولین سے مشورہ کیا، پھر انصار سے مشورہ کیا، پھر فتح مکہ والے صحابہ سے دریافت کیا، ہر ایک نے اپنی رائے کا اظہار کیا، مگر کسی نے سنت رسالت کے حوالے سے کوئی خبر نہیں بتائی، یہاں تک کہ عبد الرحمن بن عوف نے اس بارے میں حدیث نبوت سے ان کو آگاہ کیا، جیسا کہ صحیحین، رفع الملام، اعلام، حجۃ اللہ البالغۃ اور ایقاف میں مرقوم ہے۔

یہ قصہ اس بات پر دلیل ہے کہ جماعت مہاجرین وانصار اور اہل الفتح جو اس سفر میں حضرت عمر کے ہم راہ تھے، ان تمام لوگوں سے یہ حدیث اوجھل ہو گئی تھی۔

حدیث تیمم — حضرت عمر کہتے تھے کہ اگر ایک ماہ تک پانی نہ ملے تو نماز نہیں پڑھیں گے، جب تک کہ غسل نہ کر لیں، عمار بن یاسر نے اس باب میں وارد حدیث سے ان کو آگاہ کیا کہ ان کا قول خلاف سنت ہے، جیسا کہ یہ حدیث صحیحین، سنن ابی داود اور اعلام میں مذکور ہے۔

حدیث تطیب قبل احرام۔ یعنی حج یا عمرہ کے احرام سے پہلے خوشبو استعمال کرنے کے بارے میں حدیث سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ناواقف تھے۔

حدیث توقیت مسح بر خفین ۔ موزے پہننے والے کو حضرت عمر حکم کرتے تھے کہ ان موزوں پر اس وقت تک مسح کرے جب تک ان کو پاؤں سے نہ نکالے، اس مسح کے لئے کوئی خاص مدت معین نہیں ہے، سلف کی ایک جماعت نے اس امر میں ان کی پیروی کی ہے، حالانکہ متعدد صحیح حدیثیں اس باب میں وارد ہوئی ہیں، جو انہیں نہیں پہنچی ہیں، کذا فی الرفع، (ان حدیثوں میں صراحت ہے کہ موزوں پر مسح مقیم کے لئے ایک دن ورات تک اور مسافر کے لئے تین دنوں وراتوں تک جائز ہے)۔

ایسے ہی حج میں طواف سے قبل رمی جمار کی حدیث کا حال ہے، جیسا کہ ایقاف میں ذکر کیا ہے۔

یہ حدیث کہ حائض عورت کا طواف وداع کئے بغیر مکہ مکرمہ سے رخصت ہونا جائز ہے، اس سے حضرت عمر بے خبر تھے، جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور اعلام میں ہے، اسی طرح یہ حدیث بھی ان سے مخفی رہی کہ مکہ میں مقیم شخص کو ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کے دن احرام باندھنا ہے۔

حدیث ھبوب ریح ۔ تیز ہوا اور آندھی چلنے کے وقت سنت کیا ہے؟ اس سے حضرت ابوہریرہ نے ان کو واقف کرایا، جیسا کہ رفع الملام اور ایقاف میں مکتوب ہے۔

حدیث: "أمرت أن أقاتل الناس" الی آخرہ۔ حضرت عمر سے مخفی رہی، جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں اور علامہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں اس کو ذکر کیا ہے۔

حافظ ابن قیم نے اعلام میں کہا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر املاص زن کا حکم مخفی رہا، (حاملہ عورت کے پیٹ پر مارنے سے بچہ ساقط ہو جائے تو سنت رسول کیا کہتی ہے؟) اس کے بارے میں حضرت عمر نے لوگوں سے سوال کیا، مغیرہ بن شعبہ نے ان کو حدیث سے آگاہ کیا۔

اسی طرح حج تمتع کی شان سے حضرت عمر ناواقف رہے، اور لوگوں کو اس سے منع

کرتے رہے، جب انہیں معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے تو اپنی بات ترک کردی، اور حج تمتع کا حکم صادر فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر نام رکھنے کا جواز انہیں معلوم نہیں تھا، اس لئے اس سے منع کر دیا تھا، حضرت طلحہ نے ان کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے ان کی کنیت ابو محمد رکھی ہے، پس منع کرنے سے باز آ گئے، اور پھر کبھی اس پر نکیر نہیں کی۔

اسی طرح ان پر اللہ تعالی کا قول ﴿انك ميت وانهم ميتون﴾ (۱) (بیشک آپ کو مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے) اور ﴿وما محمد الا رسول .. الآية﴾ (۲) (محمد صرف رسول ہیں) مخفی رہا، رسول اللہ ﷺ کے سانحۂ ارتحال پر حضرت عمر کا حال یہ رہا کہ رسول اللہ ﷺ پر لفظ میت کے اطلاق کا بھی انکار کرتے تھے، اس وقت صدیق امت (حضرت ابوبکر) نے ان کو مذکورہ آیتیں یاد دلائیں، تو کہنے لگے اللہ کی قسم لگتا ہے کہ اس وقت سے پہلے کبھی میں نے ان آیتوں کو سنا ہی نہیں ہے۔

نبی ﷺ کی ازواج وبنات کے نکاحوں کی مہروں سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا حکم حضرت عمر سے پوشیدہ رہا، یہاں تک کہ ایک عورت نے ان کو اللہ تعالی کا قول ﴿وآتيتم احداهن قنطارا﴾ (۳)، (ان عورتوں میں سے ایک کو تم نے خزانہ دیا ہے) یاد دلایا، تو فرمایا: ہر ایک شخص عمر سے زیادہ سمجھدار ہے، یہاں تک کہ عورتیں بھی۔

اسی طرح جد (دادا) اور کلالہ (جس کے والد اور ولد نہ ہو) اور بعض اقسام ربا کے احکام ان سے مخفی رہے، وہ تمنا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ ﷺ ان مسائل کے بارے میں وصیت فرمائے ہوتے۔

حضرت عمر کو یہ بات بھی معلوم نہیں رہی کہ حدیبیہ کی سال اللہ تعالی نے اپنے رسول سے وعدہ فرمایا تھا کہ مکہ مکرمہ میں ضرور داخل ہوگے، اس وعدہ میں کسی خاص سال کی تعیین نہیں تھی، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بیان فرمایا ہے۔

---

(۱) الزمر: ۳۰۔ (۲) آل عمران: ۱۴۴۔ (۳) النساء: ۲۰۔

حضرت عمر پر یہ مسئلہ بھی مخفی رہا کہ حج وعمرہ میں احرام سے پہلے لگائی گئی خوشبو کا اثر احرام کے بعد تک محرم پر باقی رہنا اور محرم شخص کے لئے قربانی کے بعد اور طواف افاضہ سے پہلے خوشبو کا استعمال کرنا جائز ہے، سنت صحیحہ اس پر ناطق ہے، کذا فی الاعلام۔

حضرت عمر نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ساتھ نماز میں شک کرنے والے کے بارے میں مذاکرہ کیا، اس باب میں ان کو حدیث نہیں پہنچی تھی، عبدالرحمٰن بن عوف نے آں حضرت ﷺ سے روایت کیا کہ آپ نے شک کو جھٹک دینے اور یقین پر بنا کرنے کا حکم دیا ہے، جیسا کہ رفع الملام میں بیان کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ یہ وہ مقامات ومسائل ہیں جنہیں حضرت عمر نہیں جانتے تھے، جب تک ان کے جیسا کوئی یہ حدیثیں ان کو نہ پہنچاتا، ان کے علاوہ اور مقامات بھی ہیں جن کے بارے میں سنت واردہ ان تک نہیں پہنچی ہے، ان مواقع پر انہوں نے قضا اور فتوی بغیر سنت (حدیث) کے دیا ہے، ان بعض حدیثوں کا نہ پہنچنا اور مخفی رہنا حضرت عمر میں کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

تیسرے خلیفہ راشد حضرت عثمان جو علم وفضل بالخصوص تقوی، حیاء اور جود وسخا میں اپنا ایک مقام رکھتے تھے، ان کو بھی کئی حدیثوں کا علم نہیں تھا، مثلاً یہ حدیث کہ جس عورت کا خاوند وفات پائے وہ موت والے مکان میں عدت گزارے گی، حضرت عثمان کے علم میں نہیں تھی، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی بہن فریعہ بنت مالک نے اپنا قصہ ان سے بیان کیا کہ جس وقت ان کے شوہر کا انتقال ہوا تو آں حضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: "امكثي في بيتك حتى يبلغ الكتاب أجله" (۴) (اپنے گھر میں عدت پوری ہونے تک ٹھہری رہو) تب حضرت عثمان اسی پر عمل کرنے لگے۔

ایک مرتبہ حالت احرام میں لوگوں نے ان کے پاس شکار کا گوشت بطور تحفہ بھیجا، گویا

(۴) ابوداود، الطلاق: ۲۳۰۰، ترمذی، الطلاق: ۱۲۱۹، نسائی، الطلاق: ۶/ ۲۰۰، ۳۵۳۰، ابن ماجہ ۱/ ۶۵۵، ۲۰۳۱۔

یہ شکار ان کی رائے سے کیا گیا تھا، انہوں نے اس کو کھانا چاہا، حضرت علی بن طالب نے ان کو بتایا کہ لوگوں نے اس طرح کا گوشت آں حضرت ﷺ کے پاس بطور ہدیہ بھیجا تھا، آپ نے اسے واپس کر دیا تھا، پس حضرت عثمان اس کو تناول کرنے سے باز رہے، کما فی الرفع۔

اسی طرح حضرت عثمان کو اقل مدت حمل معلوم نہیں تھی، ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آیت کریمہ ﴿وحمله وفصاله ثلاثون شهرا﴾ (۵) (اور اس کا حمل اور دودھ چھٹنا تیس مہینوں میں ہے) کو آیت کریمہ ﴿والوالدات يرضعن أولادهن حولين كاملين﴾ (۶) (اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں) کے ساتھ پڑھ کر انہیں یاد دلایا، پس انہوں نے اس کی طرف رجوع کر لیا، جیسا کہ اعلام اور جُنّہ میں مذکور ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

یہ چوتھے خلیفہ ہیں جو علم و دانش میں متبحر تھے، دنیا نے ان کے جیسا بلند پایہ دانا شخص نہیں دیکھا ہے، لیکن اس کے باوجود حدیث "نحن معشر الأنبياء لا نرث ولا نورث، ما تركناه صدقة" (۷) (ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہم کسی کے وارث نہیں ہوتے ہیں اور نہ ہمارے مال کا کوئی وارث ہوتا ہے، ہمارا ترکہ صدقہ کر دیا جاتا ہے)۔

ایسے ہی حدیث: "لا تعذبوا بعذاب الله" (۸) (تم کسی کو آگ میں جلانے کی سزا نہ دو، آگ کی سزا دینا صرف اللہ کا حق ہے) حضرت علی کے ذہن میں محفوظ نہیں تھی، جیسا کہ قسطلانی نے اس کو ارشاد الساری میں ذکر کیا ہے۔

حضرت علی کی غیر یادداشتہ حدیثوں میں حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی حدیث ہے، جیسا کہ رفع الملام، توضیح، ایقاف، اور لمعات التنقیح میں مرقوم ہے۔

ایک دوسری حدیث مفوضہ عورت کے مہر کے بارے میں ہے جو ان کے حافظہ میں

---

(۵) الاحقاف: ۱۵۔ (۶) البقرۃ: ۲۳۳۔

(۷) بخاری، الخمس، ۳۰۹۴، مسلم، جہاد: ۱۷۵۸، ۱۷۵۹۔

(۸) بخاری، استتابۃ المرتدین: ۶۹۲۲، ابوداود، حدود: ۴۳۵۱۔

نہیں تھی، کما فی الرفع (مفوضہ وہ عورت ہے جو بغیر مہر کے بیاہی گئی ہو)۔

حضرت علی کا قول ہے کہ جب میں رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتا تو اللہ تعالیٰ جو چاہتا اس سے ہمیں نفع پہنچاتا، اور جب دوسرا کوئی مجھ سے حدیث بیان کرتا تو میں اس سے قسم کھانے کا مطالبہ کرتا، جب وہ قسم کھالیتا تو میں اس کو سچا جانتا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے حدیث بیان کی اور سچ بات کہی، انہوں نے مجھ سے نماز توبہ کی مشہور حدیث ذکر کی ہے۔

یہ قول اس بات پر روشن دلیل ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تمام احادیث کے عالم وحافظ نہیں تھے، اسی طرح اس قول میں حضرت ابوبکر صدیق کے صدق اور فضیلت پر بھی دلیل ہے کیونکہ حضرت علی نے ان سے حلف کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔

حضرت علی اور ابن عباس وغیرہما نے فتویٰ دیا کہ متوفی عنہا زوجہا جب حاملہ ہو تو اس کی عدت ابعد الاجلین ہے (یعنی چار ماہ دس روز اور مدت وضع حمل میں سے جو طویل و بعید عدت ہو) ان لوگوں کو سبیعہ اسلمیہ کے بارے میں حدیث رسول نہیں پہنچی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے ان کو یہ فتویٰ دیا تھا کہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔

اسی طرح حضرت علی، زید اور ابن عمر وغیرہم نے فتویٰ دیا کہ جب مفوضہ عورت کا خاوند مر جائے تو اس کے لئے مہر نہیں ہوگی، اس مسئلہ کے متعلق بروع بنت واشق کے بارے میں وارد حدیث ان لوگوں کو معلوم نہیں تھی۔

رفع الملام میں لکھا ہے کہ یہ دروازہ بہت کشادہ ہے، اس باب میں رسول اللہ ﷺ کے اصحاب سے جو کچھ منقول ہے اس کی تعداد کثیر ہے، لیکن ان کے بعد والوں سے منقولہ چیزیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ممکن نہیں ہے، کیونکہ ان کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے، حالانکہ یہ لوگ امت کے بہت بڑے علماء ملت کے عظیم فقہاء اور جماعت کے سب سے بلند پایہ اتقیاء و فضلاء رہے ہیں، ان کے بعد جو بھی آیا ان سے کم تر ہے، اس پر حدیث کا مخفی رہنا زیادہ لائق ہے، یہ بات محتاج بیان نہیں ہے، انتہی۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما

طلب الادب من ادب الطلب میں لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما مندرجہ ذیل احادیث سے واقف نہیں تھے۔

(۱) اھلی (غیر جنگلی) گدھے کی حرمت والی حدیث، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے۔

(۲) نکاح متعہ کے عدم جواز کے بارے میں حدیث، جیسا کہ شرح صحیح مسلم میں ہے۔

(۳) چاندی کے بدلے چاندی کی بیع میں تفاضل سے نہی کی حدیث، جیسا کہ صحیحین میں ہے، اور امام نووی نے اس کو شرح مسلم میں ذکر کیا ہے۔

(۴) مفوضہ عورت کے لئے مہر کے ثبوت کی حدیث جو سنن ترمذی میں آئی ہے۔

(۵) حاملہ متوفی عنہا زوجہا کی عدت کے بارے میں حدیث جو سنن نسائی، ترمذی، تیسیر الفصول، اور ایقاف میں ہے۔

(۶) حضر و سفر میں مسح علی الخفین کی حدیث، جیسا کہ محلی شرح موطا میں لکھا ہے۔

(۷) نماز ظہر اور عصر میں جناب رسالت ﷺ کا قراءت کرنے کی حدیث، جیسا کہ سنن ابی داود میں ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما حکم کرتے تھے کہ حلال (غیر محرم) کو ہدیہ دینے والا محرم کے حکم کی طرح ہے، اگر ان کو ان چیزوں کا علم ہوتا تو ہرگز یہ کام نہ کرتے، اسی لئے حضرت عائشہ نے ان کی مخالفت کیا، جیسا کہ موطا اور صحیح بخاری میں ہے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ

موطا اور سنن ابن ماجہ میں مرقوم ہے کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ پر مسح علی الخفین کی حدیث مخفی رہی، اس کے سوا اور بھی حدیثیں ہیں جن سے وہ ناواقف رہے، مثلاً:

(۱) نماز مغرب سے پہلے دو رکعت پڑھنے کی حدیث، جو سنن ابی داود وغیرہ میں ہے۔

(۲) مفوضہ عورت کے مہر کی حدیث، جو جامع ترمذی میں ہے۔

(۳) جنبی شخص کے تیمّم کرنے کی حدیث، جیسا کہ ایقاف میں ہے۔

(۴) عورت کو اپنے سر کے بال کھولے بغیر غسل کرنے کی حدیث، جیسا کہ شرح مسلم

اور حجۃ اللہ البالغۃ میں ہے۔

(۵) حج وعمرہ میں احرام باندھنے سے پہلے خوشبو استعمال کرنے کی حدیث، جیسا کہ صحیحین اور ایقاف میں ہے۔

(۶) دو ہم جنس چیزوں میں تفاضل کے ساتھ نقدی بیع کی حرمت سے متعلق حدیث، اس کا علم ان کو اس وقت ہوا جب ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے ان کو اس کی خبر دی، جیسا کہ صحیح مسلم اور اس کی شرح نووی میں مذکور ہے۔

(۷) ماہ رجب میں آں حضرت ﷺ کے عمرہ نہ کرنے کی حدیث جو صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

(۸) طواف وداع سے پہلے حائضہ عورت کا مکہ مکرمہ سے کوچ کرنے کی حدیث، جیسا کہ صحیح بخاری اور شرح صحیح مسلم میں ہے۔

(۹) عورتوں سے مدت مقررہ تک نکاح متعہ کی حرمت کی حدیث، جیسا کہ شرح مسلم للنووی میں ہے۔

(۱۰) نماز چاشت کی حدیث، جو صحیح بخاری میں ہے۔

(۱۱) فجر کی سنت اور فرض کے درمیان وقفہ دراز ہونے کی حدیث، جیسا کہ شامی نے ردمختار میں موطا امام محمد پر علی قاری کی شرح سے نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

ان کو بھی متعدد حدیثیں نہیں پہنچی تھیں، ان میں سے بعض یہ ہیں:

(۱) حالت رکوع میں دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے تھامنے و پکڑنے کی حدیث، جیسا کہ سنن ترمذی میں ہے۔

(۲) جنبی شخص کے تیمم کرنے کی حدیث، جیسا کہ صحیح بخاری اور ایقاف میں مذکور ہے۔

(۳) سنت فجر کے بعد داہنی کروٹ پر لیٹنے کی حدیث، جیسا کہ قسطلانی نے ارشاد الساری میں اور علی قاری نے شرح موطا میں ذکر کیا ہے، کما فی ردالمختار۔

(۴) مفوضہ عورت کے حکم کی حدیث، جیسا کہ جامع ترمذی، اعلام اور حجۃ اللہ میں ہے۔

(۵) مجمع البحار میں ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سورۃ اللیل میں ﴿والذکر والأنثی﴾ پڑھتے تھے، جو اولا نازل ہوئی تھی، اس کے بعد ﴿وما خلق الذکر والأنثی﴾ اتری، اس کو ابن مسعود اور ابو درداء نے نہیں سنا، اور باقی لوگوں نے سنا اور مصحف میں ثابت رکھا، اسی کے ساتھ یہ بات بھی رہی کہ ابن مسعود کو معوذتین کے متعلق یہ گمان تھا کہ یہ قرآن سے نہیں ہیں، انتہی۔

ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ کو اس حدیث کی اطلاع نہیں تھی کہ بیٹی کے ساتھ پوتی وارث ہوتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، اعلام اور ایقاف میں مذکور ہے، اسی طرح ان کو کھڑے ہوکر پیشاب کرنے کی حدیث معلوم نہیں تھی، جیسا کہ بخاری میں ہے۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ حدیث معلوم نہیں تھی کہ حائض عورت طواف صدر کے بغیر کوچ کر سکتی ہے، جیسا کہ صحیح بخاری، شرح مسلم اور ایقاف میں ہے، دوسری حدیث جس میں مفوضہ عورت کے مہر کا ذکر ہے، اور ترمذی نے اس کو روایت کیا ہے، اس سے بھی وہ ناواقف تھے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو نکاح متعہ سے نہی کی حدیث نہیں پہنچی تھی، جیسا کہ صحیح مسلم اور شرح نووی میں ہے۔

فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر حدیث "لا نرث ولا نورث" مخفی رہی، اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کی میراث کے مسئلے میں ناراض ہوکر ان سے بات کرنی چھوڑ دیا تھا، جیسا کہ یہ قصہ صحیح مسلم میں ہے۔

عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی کئی حدیثیں نہیں پہنچی تھیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) شب معراج میں آنحضرت ﷺ کا اپنے رب کو دیکھنے کی حدیث جو صحیح مسلم میں ہے۔

(۲) اہل میت کے رونے کے سبب میت کو عذاب ہونے کی حدیث، جو صحیح بخاری میں ہے۔

(۳) کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے ثبوت میں حدیث جو جامع ترمذی میں ہے۔

(۴) حدیث مسح علی الخفین، جیسا کہ صحیح مسلم، محلی، سنن ابن ماجہ اور نسائی میں ہے۔

ہند رضی اللہ عنہا پر مستحاضہ عورت کے حکم کی حدیث مخفی رہی، جیسا کہ صحیح مسلم و حجۃ اللہ میں ہے۔

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ پر محرم کا اپنے سر کو دھونے کی بابت حدیث پوشیدہ رہی، جیسا کہ موطا میں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو حدیث مسح علی الخفین کی اطلاع نہیں تھی، جیسا کہ محلی اور ایقاف میں مذکور ہے، ابو ہریرہ کہتے تھے کہ صبح تک جنبی رہنے والے کا روزہ صحیح نہیں ہے، پھر جب ان کو اس کے روزہ کے صحیح ہونے کی حدیث معلوم ہوئی تو اپنے پہلے قول سے رجوع کر لیا، جیسا کہ موطا، شرح مسلم، کشف الغمۃ عن جمیع الأمۃ للشعرانی اور حجۃ اللہ میں مذکور ہے۔

سالم بن عبد اللہ بن عمر کو محرم کے لئے طواف افاضہ سے پہلے رمی جمار کے بعد خوشبو استعمال کرنے کا جواز معلوم نہیں تھا، جیسا کہ موطا میں ہے، اسی طرح ضحاک بن قیس پر حج تمتع کے جواز کی حدیث مخفی رہی، وہ حج تمتع کو جاہلوں کے بناوٹی اعمال میں شمار کرتے تھے، جیسا کہ موطا میں ہے۔

ابراہیم نخعی سنت فجر کے بعد لیٹنے کی حدیث سے ناواقف تھے، جیسا کہ ارشاد الساری اور موطا محمد کی شرح علی قاری علی مافی رد المختار میں مذکور ہے۔

عبید بن جریج کو چند امور کی اطلاع نہیں تھی، اسی وجہ سے ابن عمر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کر بیٹھے، اور کہا اے ابو عبد الرحمٰن (کنیت ابن عمر) میں آپ کو چار ایسے کام کرتے دیکھتا ہوں جن کو آپ کے ساتھیوں میں سے کسی کو کرتے نہیں دیکھا ہے، ابن عمر نے کہا: اے ابن جریج وہ کام کیا ہیں؟ کہا (۱) میں آپ کو دیکھتا ہوں کہ ارکان خانہ کعبہ میں سے رکن یمانی کے سوا دوسرے کو مس نہیں کرتے، (۲) میں دیکھتا ہوں کہ آپ سبتی جوتے (دباغت دیئے گئے چمڑے کے جوتے) پہنتے ہیں، (۳) میں دیکھتا ہوں کہ آپ زرد رنگ استعمال کرتے

ہیں، (۴) میں دیکھتا ہوں کہ مکہ مکرمہ میں قیام کے وقت لوگ ذوالحجہ کا چاند دیکھ کر احرام باندھتے اور زبان سے لبیک پکارتے ہیں، لیکن آپ احرام نہیں باندھتے ہیں مگر یوم ترویہ (آٹھویں ذی الحجہ) کو۔

جواب میں عبد اللہ بن عمر نے ان تمام کاموں کو رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت فرمایا، جیسا کہ موطا، اور صحیح بخاری میں مذکور ہے۔

امام اعظم رحمہ اللہ

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو بہت ہی کم حدیثیں پہنچی تھیں، یہاں تک کہ مشہور احادیث ذیل سے بھی وہ بے خبر تھے۔

حدیث اشعار ھدی (یعنی قربانی کے اونٹ میں یہ علامت بنائی جائے کہ اس کے دائیں کوہان کو لوہے سے تھوڑا سا چیر کر خون آلود کر دیا جائے)

حدیث نماز کے چار مواضع میں رفع الیدین کرنا۔

حدیث نماز میں آمین بالجہر کہنا۔

حدیث قراءۃ فاتحہ خلف الامام، وغیرہ وغیرہ

امام مالک رحمہ اللہ

امام دار الہجرۃ مالک بن انس سے بھی بہت سی حدیثیں مخفی رہیں، مثلاً:

(۱) شوال کے شش عیدی روزوں کی حدیث، ان روزوں کو جاہلیت اور جفاکشوں کا عمل شمار کرتے تھے، اور کہتے تھے "لم يبلغني ذلك عن أحد من السلف" (سلف میں سے کسی سے ان روزوں کی بات مجھے نہیں پہنچی ہے)۔

(۲) حج یا عمرہ میں جس محرم کے پاس ازار نہ ہو اور وہ پائجامہ پہننا چاہے تو امام مالک فرماتے تھے کہ ہم نے کسی سے نہیں سنا کہ وہ اس کام میں رخصت دیتا تھا، یا اس کو مستثنی کرتا تھا۔

(۳) تنہا جمعہ کے دن نفلی روزہ رکھنا مستحب سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ میں نے کسی کے بارے میں نہیں سنا کہ اس نے اس روزہ سے منع کیا ہوگا۔

(۴) حج کو عمرہ میں داخل کرنے سے منع کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم نے اہل علم کو اسی طریقہ پر پایا ہے۔

امام مالک کی غیر بلاغی حدیثوں میں یہ بھی ہیں:

(۵) جو کے بدلے گیہوں کی بیع میں تفاضل کے جواز کی حدیث۔

(۶) صیام دہر سے منع کی حدیث۔

(۷) محرم میت کو خوشبو لگانے سے نہی کی حدیث۔

(۸) مقیم ومسافر کے لئے مسح علی الخفین کی توقیت والی حدیث۔

ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے، اور احادیث صحیحہ ان کی ان تمام مذکورات کے خلاف ہیں، طالب تفصیل ان کو موطا اور اس کی شروح مسوی ومصفی ومحلی میں تلاش کر سکتا ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ

ان کا حال بھی ایسا ہی ہے، چنانچہ معصفر (زرد رنگ سے رنگا ہوا) لباس پہننے سے منع کی حدیث پر اطلاع ان کو نہیں تھی، جیسا کہ امام نووی نے شرح مسلم میں بیہقی سے اس کو ذکر ونقل کیا ہے، ان کو یہ حدیث بھی نہیں پہنچی کہ نماز خوف میں صف اول امام کے ساتھ سجدہ کرے گی، اور دوسری صف نگرانی کرتی رہے گی، جیسا کہ دراسات میں اجلہ شافعیہ سے منقول ہے۔

امام شافعی کو جن مسائل میں صحیح سند کے ساتھ حدیث نہیں پہنچی ہوتی ان میں توقف اختیار کرتے تھے، اس قسم کی بعض حدیثیں یہ ہیں:

(۱) حدیث صحیح مسلم بروایت بریدہ اوقات نماز کے بارے میں۔

(۲) مفوضہ عورت کے مہر کے بارے میں بروع بنت واشق کی حدیث، جیسا کہ عقد الجید میں مذکور ہے۔

(۳) استحاضہ کے خون سے وضو نہ ٹوٹنے کی حدیث۔

(۴) تخمیس سلب کی حدیث، جیسا کہ دراسات اور میزان شعرانی میں مذکور ہے (تخمیس

سلب سے مراد یہ ہے کہ دشمن سے چھینے ہوئے مال کا پانچواں حصہ بیت المال میں جمع کرنا)۔
یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے کثیر میں سے قلیل اور انبار میں سے تھوڑا سا ہے، ورنہ اس کے انواع واقسام مطولات میں بہت ہیں، جو کوشش اور مہارت حاصل کرنے والوں پر مشکل نہیں ہیں۔
علامہ ابن قیم الجوزیہ نے اعلام میں اس طرح کی بحث کے بعد کہا ہے: "وهذا باب لو تتبعناه لجاء سفر كبير" یہ ایسا باب ہے کہ اگر ہم اس کا تتبع کریں تو بڑے بڑے دفتر تیار ہو جائیں، انتہی۔
شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص اس بات کا معتقد ہو کہ ہر صحیح حدیث ائمہ میں سے ہر ایک امام کو یا کسی معین امام کو پہنچ چکی ہے تو وہ قبیح اور بھیانک غلطی کر رہا ہے، کوئی کہنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ احادیث مدون اور جمع ہوگئی ہیں، پھر ان کے پوشیدہ رہنے کی یہ صورت حال کیا معنی رکھتی ہے؟ کیونکہ احادیث کے یہ مشہور دفاتر اور مجموعے علماء وائمہ متبوعین کے اختتام کے بعد تیار ہوئے ہیں، اس جمع وتدوین کے باوجود معینہ دفاتر وکتب میں حدیث رسول کے انحصار کا دعوی کرنا جائز نہیں ہے۔
اور اگر ان دفاتر میں یہ انحصار ہم بالفرض تسلیم کرلیں، پھر بھی ان کتابوں میں جس قدر حدیثیں ہیں ضروری نہیں ہے کہ ہر عالم ان کو جانتا ہو، بلکہ اس ملکہ ومہارت کا حصول بھی بعید بات ہے، ایسا بہت ہوتا ہے کہ ایک عالم کے پاس بہت سی کتابوں کا انبار موجود ہوتا ہے، لیکن اس کا علم ان میں موجود علوم کا احاطہ نہیں رکھتا ہے، یہ بھی ملحوظ رہے کہ حدیث کے ان دفاتر کے مدون ہونے سے پہلے جو لوگ رہے وہ ان متاخرین کی نسبت حدیث کے زیادہ جاننے والے تھے، کیونکہ بہت سی حدیثیں جو ان کو پہنچیں اور صحت کے ساتھ ان کو ملیں وہ کبھی اس طرح ہم تک نہیں پہنچ سکی ہیں، اگر پہنچی ہیں تو مجہول یا منقطع اسناد کے ساتھ، یا بالکلیہ ہی ہم تک نہیں آئی ہیں، متقدمین کے سینے ان احادیث کے دفاتر تھے، جن میں ان مدون دفاتر سے کئی گنا زیادہ علوم دین سمائے ہوئے تھے، یہ سفینے ان کے سینوں کا مقابلہ نہیں کرسکتے، یہ

ایسی حقیقت ہے کہ اس معاملہ کا دانا اور اس سے آگاہ شخص اس میں کوئی شک نہیں کرتا ہے۔
کوئی قائل یہ نہیں کہہ سکتا کہ جو شخص بہت زیادہ حدیثیں نہیں جانتا ہے وہ مجتہد نہیں ہے، کیونکہ اگر مجتہد میں یہ شرط مقرر کریں کہ وہ احکام سے متعلق تمام اقوال وافعال رسول اللہ ﷺ کا عالم ہو، تو امت میں کوئی مجتہد نہیں رہ جائے گا، بلکہ عالم کی بڑی سے بڑی حد یہ ہے کہ جمہور یا ان کا بڑا طبقہ اس کو اس طور پر جانتا ہو کہ کثیر میں سے قلیل حصہ اس پر مخفی ہوسکتا ہے، پھر بھی یہ قلیل مقدار ایسی حدیث کے مخالف پڑ سکتی ہے جو اس تک پہنچی نہیں ہے، اس حالت میں اس عالم کو معذور سمجھنا چاہئے، انتہی۔

اس مضمون کا بعض حصہ ایقاف میں بھی ذکر کیا ہے، اور ابن قیم کے حوالے سے معمولی تغیر اور کچھ زیادتی کے ساتھ بیان کیا ہے، ابوعمر اور ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی شخص نہیں آیا ہے جس پر بعض حدیثیں مخفی نہیں رہی ہیں، حدیث کے یہ تمام دفاتر اور کتابیں ائمہ کرام کے ختم زمانہ کے بعد مدون اور مجموع ہوئی ہیں، پھر بھی ان میں تمام احادیث کا منحصر ہونا ممکن نہیں ہے، اسی طرح ان کے وجود میں آنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ قریب قریب بھی تمام احادیث کو محیط ہوں گی، انتہی۔

شیخ مسند احمد محدث دہلوی نے انصاف میں لکھا ہے کہ نبی ﷺ کی بہت سی احادیث ایسی ہیں کہ ان کو صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے سوائے ایک دو شخص کے کسی نے روایت نہیں کیا ہے، اسی طرح ایک دو صحابی سے ایک دو تابعی سے زیادہ نے ان کو اخذ نہیں کیا ہے، اسی طرح سلسلہ بسلسلہ اور بہت سی حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کو ایک شہر یا دو شہر سے زیادہ کے لوگ روایت نہیں کرتے ہیں، اسی لئے بعض صحیح حدیثیں اس طبقہ کے دوسرے علماء کو نہیں پہنچیں، ناچار ان لوگوں نے اپنے پیش رووں کی اقتدا کرتے ہوئے اپنی رائے سے فتوی دیا، پھر طبقۂ ثانیہ یا اس کے بعد کے حفاظ جامعین کے زمانہ میں دقت نظری وباریک بینی سے کام لیتے ہوئے علماء ملکوں، شہروں اور اطراف وجوانب کا سفر کرنے لگے، تو مخفی حدیثیں ظاہر وباہر ہونے لگیں اور ان لوگوں کے پاس ہر شہر کے فقہاء وعلماء کی احادیث وآثار فراہم ہوتی گئیں۔

ان حالات کے پس منظر میں امام شافعی جب صحابہ وتابعین کے اقوال میں نظر کرتے تو دیکھتے کہ ان کے بہت سے کلمات خلاف حدیث ہیں، اس لئے کہ حدیث ان کو پہنچی نہیں، یا پہنچی لیکن غیر صحیح طریقے سے، پس اس صورت میں امام شافعی مضمون حدیث کو اختیار کرتے ،اوران لوگوں کا جو قول موافق حدیث نہ ہوتا اسے چھوڑ دیتے اور فرماتے: "ھم رجال ونحن رجال" اس طرح تمام سلف کی کارروائی عمدہ وبہتر ہوا کرتی تھی، انتہی ملخصا۔

میں کہتا ہوں کہ ہدایۃ السائل میں مسائل کے تحت متفرق ابواب قائم کرکے انصاف کا ترجمہ ہم نے کردیا ہے، اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

سبب دوم:

امام کا قول خلاف حدیث ہونے کی صورت میں امام کے معذور ہونے کا دوسرا سبب "رفع ملام" میں یہ بیان کیا ہے کہ امام کو حدیث پہنچی لیکن پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی، اس کی حسب ذیل صورتیں ہیں:

حدیث بیان کرنے والا، یا اس کا شیخ، یا رجال اسناد میں سے کوئی اور راوی امام کے نزدیک مجہول یا متہم یا سیٔ الحفظ ہے، یا وہ حدیث امام تک مسند طریق سے نہیں پہنچی، بلکہ منقطع طور پر پہنچی ہے، یا لفظ حدیث محفوظ ومنضبط نہیں ہے۔

حالانکہ دوسرے علماء کے نزدیک یہی حدیث ثقہ راویوں سے متصل سند کے ساتھ مروی ہوتی ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اس میں مجہول راوی کے بدلے ثقہ راوی ہوتا ہے، یا وہ حدیث غیر مجروح رجال سے مروی ہوتی ہے، پس دوسرے طرق سے وہ منقطع درحقیقت متصل کے درجہ میں ہوتی ہے۔

رہا الفاظ حدیث کے ضبط کا مسئلہ، تو بعض محدثین حفاظ نے ان کو قاعدہ کے مطابق ضبط کردیا ہے، ان صورتوں کے علاوہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ضعیف روایت متابعات وشواہد کی وجہ سے درجہ صحت کو پہنچ جاتی ہے، اور محدثین کے نزدیک وہ حدیث صحیح شمار ہوتی ہے۔

اس طرح کے ماجریات بہت ہیں، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مشہورین اور ان کے بعد

کے ادوار میں اس کی مثالیں عصر اول کی بنسبت زیادہ موجود ہیں، کیونکہ احادیث مطہرہ ہر طرف پھیل چکی ہیں، اور بہت سے علماء کو طرق کثیرہ سے حدیثیں پہنچ گئی ہیں، ان کے برخلاف دوسرے علماء کو طرق صحیحہ سے حدیث پہنچنے میں کوئی مانع پیش آ گیا، پس اس قسم کی احادیث حجت ہوں گی، اگر چہ یہ حدیثیں کسی مانع کی وجہ سے مخالف کو نہیں پہنچ سکیں، اسی لئے متعدد ائمہ نے اپنا قول حدیث کے موافق ٹھہرانے کو حدیث کے صحیح ہونے پر معلق کیا ہے، چنانچہ کہتے ہیں:

"قولي في المسئلة كذا، وقد روى فيها حديث بكذا، فان كان صحيحا فهو قولي".

(اس مسئلہ میں میرا قول یہ ہے، اور اس کے خلاف حدیث اس طرح آئی ہے، اگر حدیث صحیح ہے تو وہی میرا قول ہے)

میں کہتا ہوں کہ امام شافعی کے اس قسم کے ارشادات بہت ہیں، اور بہت سے مسائل جن کے بارے میں صحیح حدیثیں آئی ہیں، ان کے متعلق امام بیہقی کہتے ہیں کہ ان کے امام مذہب کے قول کے مطابق اس حدیث کا مدلول یہی ہے، اسی کے مطابق وہ قضاء اور افتاء فرماتے رہے، یہ مسائل اس سے کہیں زیادہ ہیں جسے اس مختصر میں تلاش کیا جا سکے، شاید اس مطلب کی بعض مثالیں صحیح مسلم پر ہماری شرح ''السراج الوہاج'' میں دستیاب ہو جائیں، اس باب میں ائمہ اربعہ مجتہدین کے اقوال (یعنی حدیث کو لینے اور رائے و تقلید کو چھوڑنے کے متعلق) عنقریب آئیں گے، ان شاء اللہ تعالی۔

تیسرا سبب:

امام کا قول حدیث کے خلاف ہونے کا تیسرا سبب یہ ہے کہ امام اپنے اجتہاد کی بنا پر حدیث کے ضعیف ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے، اور دوسرے نے حدیث کے دوسرے طریق سے قطع نظر اپنے اجتہاد سے اس بارے میں پہلے قائل سے اختلاف کیا ہے، تو ان لوگوں کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، صواب پہلے کے ساتھ ہوگا یا دوسرے

کے ساتھ، یا دونوں کے ساتھ، سب برابر ہے، انتہی۔

لیکن یہ قول مردود ہے، کیونکہ مجتہدین کی کثیر جماعت چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی، ان میں مصیب ایک ہی ہے، البتہ ہر مجتہد اپنے قول کے صواب ہونے کی صورت میں دو اجر سے ماجور ہوتا ہے، اور خطا کی صورت میں ایک اجر پاتا ہے، بشرطیکہ اس مسئلہ کی دریافت میں پوری قوت صرف کیا ہو، ورنہ اجر کا سزاوار نہیں ہوگا۔

اس تیسرے سبب کے کئی اسباب ہیں، ان میں سے بعض یہ ہیں: کوئی ایک امام حدیث بیان کرنے والے کے ضعیف ہونے کا اعتقاد رکھتا ہے، اور دوسرا اس کو ثقہ قرار دیتا ہے، اس کا تعلق معرفت رجال سے ہے، جو بہت وسیع علم ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ صواب دوسرے امام کے ساتھ ہوتا ہے، کیونکہ اس کو رجال کی معرفت حاصل ہے، اس کے نزدیک یہ سبب جرح حدیث کا باعث نہیں ہے، یا اس سبب کی جنس جارح نہیں ہے، یا اس عالم کو اس میں ایسا کوئی عذر ہے جو اس کو جرح سے باز رکھتا ہے، یہ باب ان علماء کے لئے جو رجال واحوال رجال کو جانتے پہچانتے ہیں، بہت وسیع ہے، اس بارے میں کہیں پر ان کا اجماع اور کہیں پر اختلاف ہوتا ہے، جیسا کہ دوسرے علوم وفنون والوں کا ان میں ہوا کرتا ہے۔

من جملہ اسباب یہ ہے کہ امام حدیث بیان کرنے والے کے حق میں حدیث کی سماعت کا اعتقاد نہیں رکھتا اور جو شخص اس محدث سے یا دوسرے شیخ سے حدیث بیان کرتا ہے وہ اس حدیث کی سماعت کا معتقد ہے کیونکہ اسباب معروفہ اس اعتقاد کے موجب ہیں۔

من جملہ اسباب یہ ہے کہ حدیث بیان کرنے والے (راوی) کی دو حالتیں ہوں، ایک حالت استقامت، دوسری حالت اضطراب، مثلاً راوی کی حالت پہلے ٹھیک رہی، پھر اس کو اختلاط واشتباہ کا عارضہ ہوگیا، یا اس کی کتابیں جل گئیں، پس اس نے جو حدیث حالت استقامت میں بیان کی ہے وہ صحیح ہے، اور جو حدیث حالت اضطراب میں بیان کیا ہے وہ ضعیف ہے، لیکن یہ بات معلوم نہیں ہو رہی ہے کہ زیر بحث حدیث ان دونوں قسموں میں سے کس قسم سے ہے؟ البتہ دوسرا عالم جانتا ہے کہ راوی مذکور نے اس حدیث کو حالت

استقامت میں بیان کیا ہے۔

من جملہ اسباب یہ ہے کہ راوی حدیث کو بھول گیا، اور بعد میں اس کو روایت نہیں کیا، یہاں تک کہ خود اپنی اس روایت کے بیان سے انکار کرنے لگا، اس صورت حال کی وجہ سے وہ امام اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ امر ترک حدیث کی ایک علت موجبہ ہے، اس کے برخلاف دوسرا عالم یہ خیال کرتا ہے کہ یہ امر اس حدیث سے استدلال کے لئے مانع نہیں ہے، یہ مسئلہ معروف ہے۔

من جملہ اسباب یہ ہے کہ بہت سے اہل حجاز اس بات کے معتقد ہیں کہ اگر کسی حدیث کی اصل حجاز میں نہ ہو تو عراقی اور شامی حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے، کہنے والے نے یہاں تک کہا ہے کہ اہل عراق کی احادیث کو احادیث اہل کتاب کے درجہ میں رکھنا چاہئے، اور ان کی تصدیق وتکذیب سے سکوت اختیار کرنا چاہئے، ایک اور نے یہ راگ الاپا ہے کہ روایت عن منصور عن ابراہیم عن علقمہ عن عبداللہ حجت ہے، لیکن اگر اس کی اصل حجاز میں نہ ہو تو حجت نہیں ہوگی، رہا یہ اعتقاد کہ اہل حجاز حدیث کے حافظ وضابط ہیں، کوئی حدیث ان لوگوں سے باہر نہیں گئی ہے، اور اہل عراق کی احادیث میں اضطراب ہے، تو یہ امر ان کی احادیث میں توقف کا باعث ہوا۔

بعض عراقیوں کا اعتقاد ہے کہ اہل شام کی حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے، اگر چہ اکثر لوگوں کے نزدیک ان کی ضعیف حدیث کو ترک کر دینا چاہئے، اور جب اسناد جید ہو تو حدیث حجت ہے، چاہے حجازی ہو یا شامی یا عراقی یا اور کوئی ع حدیث عشق می باید چہ عبرانی چہ سریانی

ابو داود سجستانی نے اہل امصار کی علاحدہ علاحدہ حدیثوں کے بیان میں ایک کتاب لکھی ہے، اس میں ہر شہر والوں کی مخصوص حدیثوں کو ذکر کیا ہے، جو دوسرے شہر والوں کے پاس مسند نہیں ہے، جیسے مکہ، طائف، دمشق، کوفہ، بصرہ وغیرہا، ان اسباب کے علاوہ اور بھی ہیں، جنہیں طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

چوتھا سبب:

خبر واحد میں بعض ائمہ نے کچھ شروط مقرر کی ہیں، جیسے راوی کا عادل وضابط ہونا چاہئے، دوسرے علماء اس کے مخالف شرط کرتے ہیں، جیسے بعض لوگوں نے یہ شرط کی ہے کہ حدیث اور کتاب اللہ میں موافقت ہو، بعض یہ کہتے ہیں کہ جب حدیث قیاس اصول کے خلاف ہو تو محدث کو اس فقیہ کے ساتھ ہونا چاہئے، اور بعض نے عموم بلوی کی قسم کے مسائل میں حدیث کے ظاہر اور شائع وذائع ہونے کی شرط رکھی ہے۔

اس طرح کی اور بھی شرطیں ہیں جو اپنے مقام میں معروف ہیں۔

پانچواں سبب:

پانچواں سبب یہ ہے کہ عالم کو حدیث پہنچی ہے اور ثابت شدہ بھی ہے، لیکن اس کو بھول گیا ہے، ایسا کتاب وسنت دونوں کے سلسلے میں ہو جایا کرتا ہے، جیسے حضرت عمر کا مشہور واقعہ ہے کہ جب ان سے جنبی شخص کے بارے میں یہ پوچھا گیا کہ وہ سفر میں پانی نہ پائے تو کیا کرے؟ جواب دیا کہ جب تک پانی نہ پائے نماز نہیں پڑے گا، عمار رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آپ کو یاد نہیں ہے کہ میں اور آپ ایک سفر میں تھے، اور ہم دونوں جنبی ہو گئے، غسل کے لئے پانی نہیں تھا، آپ نے نماز نہیں پڑھی، میں نے چوپایہ کی طرح مٹی میں لوٹ پوٹ لگائی، پھر نماز پڑھی، یہ قصہ ہم نے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے فرمایا: تمہیں اتنا ہی کافی تھا کہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارتے، پھر پھونک کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے اور دونوں ہتھیلیوں پر ملتے، حضرت عمر نے کہا اے عمار! اللہ سے ڈرو، انہوں نے کہا اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں یہ حدیث بیان نہ کروں؟ فرمایا تمہیں روایت کرنے کا اختیار ہے۔

یہ وہ سنت ہے جس میں حضرت عمر حاضر رہے، لیکن فتوی اس کے خلاف دیا، اور حضرت عمار نے اس کو انہیں یاد دلایا، لیکن یہ سنت ان کو یاد نہیں آئی، مگر عمار کی تکذیب بھی نہیں کی، بلکہ اس کو بیان کرنے کا حکم دیا۔

اس واقعہ سے زیادہ بلیغ حضرت عمر کے خطبہ کا وہ قصہ ہے جس میں انہوں نے رسول

اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے مہر سے زیادہ مہر نکاح مقرر کرنے سے منع فرمایا تھا، جب ایک عورت نے ان سے کہا کہ آپ ہم کو اس حق سے کیوں محروم کر رہے ہیں جو اللہ تعالی نے ہم کو دیا ہے، اور آیت قنطار پڑھ سنائی، پس حضرت عمر نے اس عورت کے قول کی طرف رجوع کیا، حالانکہ یہ آیت انہیں یاد تھی، لیکن اس وقت بھول گئے تھے۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ حضرت علی نے جنگ جمل کے روز زبیر رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کا وہ عہد یاد دلایا جو آپ نے ان دونوں سے لیا تھا، پس حضرت زبیر جنگ سے واپس ہو گئے۔

سلف وخلف میں اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔

چھٹواں سبب:

امام کا قول حدیث کے خلاف ہونے کا ایک سبب دلالت حدیث کی عدم معرفت ہے، اس کی وجہ بعض دفعہ یہ ہوتی ہے کہ لفظ حدیث اس کے نزدیک غریب ہوتا ہے، جیسے لفظ مزابنہ، محاقلہ، مخابرہ، ملامسہ، منابذہ، غرر جیسے کلمات غریبہ کی تفسیر میں علماء اختلاف کی راہ پر چل رہے ہیں، چنانچہ حدیث مرفوع جو لفظ "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق" کے ساتھ مروی ہے، اس میں لفظ اغلاق کی تفسیر اہل علم نے اکراہ سے بیان کی ہے، اور جس نے ان کے خلاف تفسیر کی ہے وہ اس معنی کو جانتا ہی نہیں ہے۔

کبھی اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لفظ حدیث کا معنی ایک شخص کے عرف ولغت میں ایسا ہوتا ہے جو لغت نبوی میں معنی کے مغایر ہوتا ہے اور وہ شخص اس کو اپنے عرفی ولغوی معنی پر محمول کر لیتا ہے، اس کے نزدیک اس جگہ اصل چیز بقاء لغت ہے، جیسا کہ بعض علماء نے رخصت نبیذ کے بارے میں وارد احادیث کو سن کر گمان کیا کہ یہ ایک قسم کا نشہ ہے، کیونکہ نبیذ ان کی لغت میں نشہ کے معنی میں ہے، حالانکہ حدیث میں اس سے مراد یہ ہے کہ پانی میں کھجور ڈال دی جائے، اور اس میں شدت وجوش پیدا ہونے سے پہلے اسے پی لیا جائے، (یہ جائز ہے)۔ احادیث صحیحہ میں رخصت نبیذ کی تفسیر اسی معنی میں آئی ہے، اسی طرح لفظ خمر

کو کتاب وسنت میں دیکھ کر یہ اعتقاد کر لیا کہ اس سے مراد شیرۂ انگور ہے جس میں تیزی آگئی ہو، اس اعتقاد کی خاص وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی لغت میں یہی معنی معروف ہے، اگرچہ بہت سی صحیح حدیثوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر نشیلی چیز کا نام خمر ہے۔

بعض دفعہ یہ ہوتا ہے کہ لفظ حدیث مشترک یا مجمل یا حقیقت اور مجاز کے درمیان متردد ہوتا ہے اور یہ شخص اس کو ایسے معنی پر حمل کرتا ہے جو اس کے نزدیک قریب تر ہوتا ہے، حالانکہ اس سے مراد دوسری چیز ہوتی ہے، جیسا کہ صحابہ کی ایک جماعت نے اول امر میں خیط ابیض اور خیط اسود کو رسی دھاگے پر حمل کیا تھا۔ (حالانکہ ان سے مراد صبح صادق اور صبح کاذب ہے) بعض صحابہ نے آیت کریمہ ﴿فاغسلوا وجوهكم وأيديكم﴾ میں ہاتھوں کو بغل تک دھونے کی بات کہہ دی۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دلالت نص خفی ہوتی ہے، کیونکہ دلالت اقوال کی جہات بہت وسعت رکھتی ہیں، اور سب لوگ ان جہات کے علم وفہم میں ایک درجہ کے نہیں ہوتے، کیونکہ وجوہ کلام کی فہم حق سبحانہ کی عطا و بخشش کے بقدر حاصل ہوتی ہے، اور آدمی کلام کو عمومی حیثیت سے جانتا ہے، اس کے معین معنی کو سمجھ نہیں پاتا جو اس عام میں داخل ہوتا ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ معین معنی کو سمجھ جاتا ہے، مگر بعد میں اس کو بھول جاتا ہے۔

بہر حال یہ باب بہت وسیع ہے، اللہ کے سوا دوسرا اس کا احاطہ نہیں کر سکتا، بعض دفعہ کسی عالم کی سمجھ میں کلام سے ایسی بات آتی ہے کہ لغت عربیہ جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے ہیں، اس معنی کی محتمل نہیں ہوتی ہے۔

ساتواں سبب:

امام یا عالم اس بات کا معتقد ہو کہ حدیث میں مدعا پر دلالت نہیں ہے، اس سبب اور چھٹویں سبب کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلا شخص جہت دلالت سے ناواقف ہے، اور یہ شخص واقف ہے، لیکن اپنے مقررہ اصول کی بنا پر اعتقاد کر بیٹھا کہ یہ دلالت صحیح نہیں ہے، پس اس دلالت کو رد کر دیتا ہے، چاہے واقع میں درست ہو یا غلط، مثلا: وہ اس بات کا معتقد

ہے کہ عام مخصوص حجت نہیں ہے، اور جو عموم کسی سبب پر وارد ہوتا ہے اس کا معاملہ اسی سبب تک محدود رہتا ہے، اور کسی چیز کا محض حکم کر دینا اس کے وجوب کا مقتضی نہیں ہے، یا اس کو فورا کرنے کو مستلزم نہیں ہے، اسی طرح یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معرف باللام کے لئے عموم نہیں ہوتا ہے، پس مضمرات اور معانی میں عموم کا دعوی نہیں کیا جا سکتا، یہ بہت وسیع بحث ہے۔

اصول فقہ کا بعض حصہ ایسا ہے کہ اس کے اختلافی مسائل اس قسم میں داخل ہیں، اگر چہ خالص اصول ان تمام اختلافی دلالات کو محیط نہیں ہیں، اور اس قسم میں دلالات کی جنسوں کے افراد داخل ہیں، یہ بحث بھی شامل ہے کہ یہ اجناس اسی جنس سے ہیں یا دوسری سے، مثلا یہ اعتقاد ہو کہ لفظ معین مجمل ہے، کیونکہ وہ مشترک ہے، اور دلالت اس کے دو معنوں میں سے ایک کی تعیین نہیں کرتی ہے، وغیر ذلک۔

میں کہتا ہوں کہ ائمہ حنفیہ وشافعیہ وغیرہما میں سے ہر ایک نے اپنی فقہ کے لئے اصول وضع کر کے مدون کئے ہیں، اور دوسروں نے ان کے بعض یا اکثر اصول کا رد کیا ہے، یہ جھگڑا زمانۂ قدیم سے اس امت میں جاری ہے، اس نزدیکی زمانے میں صاحب ارشاد الفحول اس قضیے کے فیصلہ کی طرف راغب ہوئے اور ان زبردست اماموں کے اصول کے حقائق کو کتاب وسنت کی کسوٹی پر پرکھ کر صحرا رسید کر دیا، جیسا کہ حصول المامول سے ظاہر ہے، لیکن جہالت، تعصب اور حجاب رسوم کے مفاسد شمار سے زیادہ ہیں۔

آٹھواں سبب:

امام کا یہ اعتقاد ہو کہ حدیث کی دلالات کے کوئی چیز معارض ہے جو حدیث سے اس معنی کے مراد نہ لینے پر دلالت کر رہی ہوگی، جیسے عام وخاص، مطلق ومقید کے درمیان تعارض یا امر مطلق جس سے وجوب کی نفی ہوتی ہے یا حقیقت ومجاز وغیرہ جو معارضات کی قسمیں ہیں، اس باب میں بڑی وسعت ہے، کیونکہ اقوال کی دلالات میں تعارض اور ایک دوسرے پر ترجیح کی بحث ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔

نوواں سبب:

یہ اعتقاد ہو کہ حدیث کسی ایسی دلیل کے معارض ہے جو اس کے ضعف یا نسخ یا تاویل پر دلالت کرتی ہے، لیکن تاویل ایسی چیز کے ذریعہ ہو جو بالاتفاق معارض ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو، جیسے کوئی آیت یا دوسری حدیث یا اجماع ہو۔

اس معارضہ کی دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ کہ اس بات کا اعتقاد ہو کہ حدیث کا معارض فی الجملہ راجح ہے، اور ان تینوں (ضعف، نسخ، تاویل) میں سے کسی ایک کی تعیین کئے بغیر کوئی ایک متعین ہو، اور کبھی ان میں سے ایک اس طور پر متعین ہوتا ہے کہ وہ منسوخ یا مؤول ہے، پھر متقدم کو متاخر ہونے کا اعتقاد رکھنے سے منسوخ کے بارے میں غلطی ہو جاتی ہے، اور کبھی تاویل میں یہ غلطی ہو جاتی ہے کہ حدیث کو ایسے معنی پر حمل کیا جاتا ہے کہ لفظ حدیث اس کا احتمال نہیں رکھتا ہے، یا وہاں پر کوئی ایسی چیز ہے جو احتمال مذکور کے لئے مانع ہوتی ہے، اگر دوسری دلیل من حیث الجملۃ حدیث کے معارض ہو تو یہ اس کے ضعف وغیرہ پر دلیل نہیں ہوگی۔

کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ دوسری حدیث سند ومتن میں پہلی حدیث جیسی نہیں ہوتی ہے، اور یہاں پر پہلے بیان کئے گئے اسباب اور ان کے علاوہ بھی حدیث اول میں پیش آئیں گے۔

لوگ جس اجماع کا اکثر دعوی کرتے ہیں وہ اس بات سے عبارت ہے کہ اس کے مخالف کا علم نہیں ہے، بڑے بڑے علماء کو ہم نے پایا ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کے قائل رہے ہیں اور ان چیزوں کے بارے میں ان کا استدلال یہی رہا کہ کسی مخالف کا علم ہمیں نہیں ہے، حالانکہ ان کی دلیلوں کا ظاہر ان کے قول کے خلاف کا مقتضی ہے، لیکن عالم کی کوشش ہوتی ہے کہ کوئی ایسی چیز پیش کرے کہ کوئی قائل اس کو نہ جانتا ہو، باوجودیکہ وہ یہ بات جانتا ہے کہ اس قول میں علماء اس کے مخالف ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے بعض نے یہ تعلیق لگائی ہے کہ اگر مسئلہ میں اجماع ہو تو اس کی اتباع اولی ہے، ورنہ ہمارا قول چنیں وچناں ہے۔

یہ کام اس طریقہ پر ہوگا کہ کوئی عالم کہے میں کسی کو نہیں جانتا کہ اس نے غلام کی

شہادت کو جائز رکھا ہوگا، لیکن اس شہادت کی قبولیت حضرت علی، انس اور شریح وغیرہم سے محفوظ و منقول ہے، ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ یوں کہے: لوگوں نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ بعض معتق (غلام آزاد کرنے والے) وارث نہیں ہوتے ہیں، حالانکہ حضرت علی اور ابن مسعود سے اس کو وارث بنایا جانا محفوظ ہے، اور اس باب میں آں حضرت ﷺ سے ایک حسن حدیث آئی ہے، اسی طرح کوئی کہتا ہے کہ میں کسی شخص کو نہیں جانتا ہوں کہ اس نے نماز میں آں حضرت ﷺ پر درود پڑھنا واجب قرار دیا ہو، حالانکہ جعفر صادق وغیرہ سے اس کا ایجاب محفوظ ہے۔

حاصل:

اس مقام کا حاصل یہ ہے کہ بہت سے اہل علم کی غایت یہ ہے کہ وہ اپنے شہر و وطن کے معروف علماء کا قول جانیں اور معلوم کریں، دوسرے بلاد و مقامات کے لوگوں کے اقوال سے سروکار نہ رکھیں، جیسا کہ بہت سے متقدمین اسی طرح کے پائے جاتے ہیں کہ اہل مدینہ اور اہل کوفہ کے اقوال کے سوا دوسروں کے قول کو جانتے ہی نہیں ہیں، اور بہت سے متاخرین کا حال یہ ہے کہ وہ ائمہ متبوعین میں سے ایک دو یا تین کے قول کے سوا دوسروں کے قول سے نابلد ہوتے ہیں، اس لئے ان کی معلومات سے جو قول خارج ہوتا ہے وہ ان کے نزدیک مخالف اجماع ہے، کیونکہ اس خارج قول کے قائل کو وہ جانتے نہیں ہیں، اور ہمیشہ اس کے خلاف کان کھاتے رہتے ہیں۔

جس شخص کا حال ایسا ہو اس سے کہاں ہوسکتا ہے کہ حدیث شریف کی طرف مائل ہو، کیونکہ حدیث اس کے مخالف ہے، اور وہ اجماع کی مخالفت سے ڈرتا ہے، اور اعتقاد رکھتا ہے کہ یہ حدیث مخالف اجماع ہے، اور اجماع ایک عظیم ترین حجت ہوتی ہے، یہی عذر اکثر لوگ اپنی بہت سی متروک احادیث کے بارے میں پیش کرتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض لوگ اس معذرت میں حقیقۃً معذور ہیں، اور بعض درحقیقت معذور نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ گذشتہ زمانے میں ان عذروں کے لئے گنجائش تھی، کیونکہ ان ایام میں

کتب حدیث کی تدوین نہیں ہوئی تھی ، دوسرے یہ کہ ایک شہر کی خبر اور حدیث دوسرے شہروں تک پہنچ نہیں رہی تھی ، اس وجہ سے کہ راستے مسدود تھے، گذرگاہیں نہیں تھیں، ایک کا دوسرے تک پہنچنا مشکل تھا، لیکن اب کسی کے لئے کوئی عذر باقی نہیں ہے، اس لئے کسی قسم کا عذر و بہانہ صحیح نہیں ہوگا۔

دسواں سبب:

یہ سبب اس طرح ہے کہ حدیث ایسی چیز کے معارض ہے جو اس کے ضعیف یا منسوخ ہونے یا کسی ایسی چیز کے ساتھ تاویل کئے جانے پر دلالت کر رہی ہے کہ دوسرا شخص اس چیز کے معارض ہونے کا معتقد نہیں ہے، یا درحقیقت خود کوئی راجح معارض نہیں ہے، جیسے بہت سے اہل کوفہ صحیح حدیث کو ظاہر قرآن کے معارض اس خیال و اعتقاد کی بنا پر ٹھہراتے ہیں کہ ظاہر کتاب جو عموم وغیرہ سے تعلق رکھتا ہے وہ نص حدیث پر مقدم ہے، اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ غیر ظاہر کے بارے میں ظاہر کا اعتقاد رکھتے ہیں، اس بنا پر کہ اس قول کی دلالت اپنے ہمراہ بہت سی وجوہ کی حامل ہے، اسی لئے انہوں نے شاہد اور یمین کی حدیث کو رد کر دیا ہے۔

دوسرے اہل علم جانتے ہیں کہ ظاہر قرآن میں کوئی ایسی چیز موجود نہیں ہے جو ایک شاہد اور یمین کے ذریعہ فیصلہ کرنے سے مانع ہو، اگر اس میں کوئی ایسی بات ہو بھی تو سنت صحیحہ ان کے نزدیک مفسر قرآن ہوگی، (نہ کہ معارض) اور شافعیہ کا قول اس قاعدے کے بارے میں معروف ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں امام احمد کا ایک رسالہ ہے جو دعوی کرتے ہیں کہ ظاہر قرآن کافی ہے، اور سنت رسول کو اس کی تفسیر قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے، امام موصوف نے اس رسالہ میں بہت سی دلیلیں ذکر کی ہیں، جن کو بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

اسی قبیل سے اس حدیث کو رد کرنا ہے جس میں عموم کتاب کی تخصیص یا مطلق قرآن کی تقیید یا قرآن پر زیادتی کی صورت ہو، جو لوگ اس کے قائل ہیں ان کا اعتقاد یہ ہوتا ہے کہ نص پر زیادتی جیسے مطلق کی تقیید اور عام کی تخصیص وغیرہ اس نص کا نسخ ہے، اسی طرح اہل

مدینہ کا ایک گروہ صحیح حدیث کو اہل مدینہ کے عمل کا معارض قرار دے کر اس کو دفع کر دیتا ہے، کیونکہ ان لوگوں نے مذکورہ صورت میں خبر کی مخالفت پر اجماع کیا ہے، اور ان کا اجماع حدیث پر حجت متقدم ہے، جیسے خیار مجلس کی احادیث کی مخالفت اسی اصل پر مبنی ہے، جب کہ بہت سے علماء اس مسئلہ میں اہل مدینہ کے درمیان اختلاف ثابت کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کسی امر پر اجماع کریں اور دوسرا ان کے اجماع کے خلاف عمل کرے تو اس موقع پر حدیث حجت ہوگی، ان کے اجماع کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اسی طرح ایک جماعت نے بعض احادیث کو قیاس جلی کے معارض قرار دے کر اس بنا پر اس کو ترک کیا ہے کہ قواعد کلیہ کو اس جیسی حدیث سے توڑا نہیں جا سکتا، ان مذکورات کے علاوہ بھی معارضات کی کئی صورتیں ہیں، ان میں معارض شخص خواہ صواب پر ہوگا یا خطا پر، یہ الگ بحث ہے، بہر حال یہ دس قسم کے اسباب جو ہم نے ذکر کئے ہیں ظاہر اور واضح ہیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ کسی عالم کو بہت سی حدیثوں پر ترک عمل کی حجت نہ ہو کہ ان حدیثوں کی اسے اطلاع نہیں ملی ہے، کیونکہ علم کی دستیابی کے مواضع بہت کشادہ ہیں، اور علماء کے بواطن میں جو علوم محفوظ ہیں، ان تمام پر اطلاع کسی کو حاصل نہیں ہے، کبھی عالم حجت و دلیل خود ظاہر کر دیتا ہے، اور کبھی نہیں کرتا ہے، اور ظاہر کرنے کی صورت میں کبھی وہ ہم تک پہنچتی ہے، اور کبھی نہیں پہنچتی ہے، اور پہنچنے کی صورت میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وجہ استدلال معلوم کر لیتے ہیں اور کبھی معلوم نہیں کر پاتے، خواہ وہ حجت نفس الامر میں اور اپنی ذات کی حد میں صواب ہو یا نہ ہو۔

ہر چند کہ ہم نے یہ تجویز پیش کی ہے، لیکن ہمارے لئے زیبا نہیں ہے کہ جس قول پر صحیح حدیث سے یا اہل علم کی ایک جماعت کی فقہ سے حجت ظاہر اور واضح ہو چکی ہے، اس کو چھوڑ کر دوسرے قول کی طرف رجوع کریں کہ اس کو ایک عالم نے کہا ہے، اور امکان ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی دلیل ہوگی جس سے حجت مذکورہ دفع ہو سکتی ہے، ایسے عالم کا قول لائق قبول نہیں ہوگا، اگرچہ وہ بہت بڑا دانا کیوں نہ ہو، کیونکہ علماء کی آراء کی طرف خطا کا راہ پانا شرعی دلائل کی طرف راہ پانے سے بہت زیادہ ہوا کرتا ہے، اس لئے کہ دلائل شرعیہ اللہ کے

تمام بندوں پر حجت ہیں، جب کہ عالم کی رائے کا معاملہ اس کے برخلاف ہے، اور یہ بات محال ہے کہ شرعی دلیل خطاوار ہو، کیونکہ کوئی دوسری دلیل اس کے معارض نہیں ہے، اور عالم کی رائے ایسی نہیں ہوتی ہے۔

اگر مذکورہ تجویز پر عمل کرنا جائز ہو جائے تو ہمارے ہاتھ میں اس قسم کی جتنی دلیلیں ہیں کچھ بھی باقی نہیں رہیں گی، لیکن غرض یہ ہے کہ وہ عالم بذات خود ان کے ترک کرنے میں معذور ہے، اور ہم اس ترک کے ترک میں معذور ہیں، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ﴿تلك أمة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم، ولا تسألون عما كانوا يعملون﴾ (۹) (یہ ایک امت تھی جو گذر گئی، ان کا کمایا ہوا ان کے لئے اور تمہارا کمایا ہوا تمہارے لئے ہے، تم سے ان کے اعمال کے بارے میں سوال نہیں ہوگا)۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول﴾ (۱۰) (اگر کسی امر میں تمہارے درمیان نزاع واقع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ)

کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ حدیث رسول ﷺ کا مقابلہ کسی شخص کے قول سے کرے، جیسا کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک مسئلہ پوچھا، انہوں نے حدیث سے جواب دیا، سائل نے کہا: ابوبکر اور عمر کا قول یہ ہے، ابن عباس نے برافروختہ ہو کر فرمایا: قریب ہے کہ تم پر آسمان سے پتھر کی بارش ہو، میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس طرح فرمایا ہے، اور تم کہتے ہو کہ ابوبکر وعمر نے یوں کہا ہے۔

فائدہ:

جب یہ معلوم ہو گیا کہ حدیث پر ترک عمل کے لئے مذکورہ اسباب میں سے کوئی سبب ہوا کرتا ہے، تو جب کوئی صحیح حدیث معلوم ہو جائے جس میں حلال یا حرام یا اور کوئی حکم مذکور ہو تو کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ دل میں یہ خیال لائے کہ حدیث کا تارک ان علماء میں

---

(۹) البقرۃ:۱۳۴۔ (۱۰) النساء:۵۹۔

سے ہے جن کے ترک حدیث کے اسباب ہم نے بیان کیے ہیں، بلکہ صحیح حدیث معلوم ہونے کے بعد اس کا تارک لائق سزا ہے، کیونکہ اس نے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بنایا ہے، یا ما أنزل الله کے خلاف حکم دیا ہے۔

اسی طرح اگر حدیث میں کسی کام پر وعید جیسے لعنت یا غضب یا عذاب وغیرہ کا ذکر ہو تو لوگوں کو یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ فلاں عالم نے وعید والا کام کیا ہے، یا اس کو مباح قرار دیا ہے، اس لئے اس وعید میں داخل ہے، یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے بارے میں امت کے درمیان اختلاف ہونا ہمیں معلوم نہیں ہے، سوا اس کے کہ بغداد کے بعض معتزلہ جیسے مریسی اور اس کے ہم خیالوں کے متعلق لوگ بیان کرتے ہیں کہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ خطا کرنے والا مجتہد اپنی خطا پر سزا یاب ہوگا۔

لحوق وعید بفاعل

یہ بات ہم نے اس لئے کہی ہے کہ حرام کام کرنے والے کو وعید کا لاحق ہونا اس بات پر مشروط ہے کہ وہ اس کام کی حرمت کا علم رکھتا ہو، یا تحریم کے علم پر قادر ہو، کیونکہ جو شخص ایسا نہیں ہے، مثلاً اس نے دیہات میں نشو ونما پائی ہے یا نو مسلم ہے، اور کوئی حرام کام کر بیٹھا جس کی حرمت کا اس کو علم نہیں تھا، تو وہ گنہگار نہیں ہے، اور نہ اس پر حد آتی ہے، اگرچہ اس کے حق میں یہ استحلال کسی شرعی دلیل کی طرف مستند نہیں ہے۔

پس جس شخص کو کسی کام کے حرام ہونے کی حدیث نہ پہنچی ہو، اور کوئی شرعی دلیل اس کے مباح ہونے کی طرف اشارہ کررہی ہو تو وہ بدرجہ اولی معذور ہے، اس لئے یہ شخص صواب کی دریافت میں اپنے اجتہاد پر عنداللہ ماجور ومحمود ہوگا، چنانچہ حق تعالی کا ارشاد ہے:

﴿وداود وسليمان اذ يحكمان في الحرث، اذ نفشت فيه غنم القوم، وكنا لحكمهم شاهدين، ففهمناها سليمان، وكلا آتينا حكما وعلما﴾ (۱۱) (اور داود وسلیمان کو یاد کرو جب وہ کھیتی کے بارے میں فیصلہ کررہے تھے، جس وقت اس میں ایک قوم کی بکریاں چر چگ گئی تھیں، اور ہم ان کے فیصلے دیکھ رہے تھے،

(۱۱) الانبیاء: ۷۸، ۷۹۔

پھر ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو سمجھا دیا، اور ہر ایک کو حکم اور علم عطا کیا)۔

اس جگہ سلیمان علیہ السلام کو فہم کے ساتھ مختص فرمایا ہے، اور دونوں (داود وسلیمان) کے علم وحکم کی تعریف فرمائی ہے، یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایک وقت وزمانے میں کئی مجتہد کا اکٹھا ہونا اور ایک کا دوسرے سے علم وفضل میں کم وبیش ہونا جائز ہے۔

صحیحین میں عمرو بن العاص سے مرفوعا روایت ہے:

"اذا اجتهد الحاكم فأصاب، فله أجران، واذا اجتهد (واذا حكم فاجتهد) ثم أخطأ فله أجر" (۱۲)(حاکم جب فیصلہ کے وقت اجتہاد کرے پھر درست بات تک پہنچ جائے تو اس کے لئے دو اجر ہے، اگر اجتہاد میں خطا کھا گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے)۔

اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ مجتہد کو اس کی غلطی کے باوجود ایک اجر ملے گا، کیونکہ اس نے اپنے کام میں بھرپور کوشش ومحنت کی ہے، اس بنا پر اس کی غلطی بھی معاف کردی گئی ہے، اس لئے کہ تمام اشیاء احکام میں صواب کی دریافت متعذر اور دشوار ہے، اللہ تعالی نے فرمایا ہے:

﴿ما جعل عليكم في الدين من حرج﴾ (۱۳)(اللہ تعالی نے دین کے معاملے میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی۔)

دوسری جگہ فرمایا ہے:

﴿يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر﴾ (۱۴)(اللہ تعالی تم پر آسانی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا)۔

صحیحین میں مرفوعا روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے خندق کے روز اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم میں کا کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں، یہ قافلہ ابھی راستے میں تھا

---

(۱۲) بخاری، الاعتصام: ۷۳۵۲، مسلم الاقضیۃ: ۱۷۱۶۔

(۱۳) الحج: ۷۸۔ (۱۴) البقرۃ: ۱۸۵۔

کہ نماز کا وقت ہو گیا، ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حکم پر بنی قریظہ ہی میں نماز پڑھیں گے، دوسروں نے کہا: رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے یہ مراد نہیں ہے، انہوں نے راستے ہی میں نماز ادا کر لی، آپ ﷺ نے ان دونوں جماعتوں میں سے کسی کو سرزنش نہیں فرمائی، اور نہ کسی پر نکیر کی۔(۱۵)

پہلی جماعت والوں کا استدلال عموم خطاب سے تھا، انہوں نے وقت فوت ہو جانے کو بھی داخل عموم سمجھا، دوسرے گروہ کی دلیل یہ تھی کہ یہ صورت عموم سے خارج ہے، آنحضور ﷺ کا مقصد بنی قریظہ کے پاس ہمیں جلد پہنچنا ہے۔

یہ مسئلہ ایسا ہے کہ اس میں فقہاء کا اختلاف مشہور ہے کہ عام کی تخصیص قیاس سے ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بہر حال جن لوگوں نے راستے میں نماز ادا کی وہ دوسروں کی نسبت زیادہ صواب پر تھے، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ ظاہریت کو سخت غلو پر ترجیح حاصل ہے، اسی طرح کا ایک قصہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ بلال رضی اللہ عنہ نے دو صاع کھجور کو ایک صاع کے بدلے فروخت کر دی تھی، رسول اللہ ﷺ نے ان کو واپس کرنے کا حکم فرمایا کہ یہ ربا ہے(۱۶)، لیکن ان کو لعن طعن اور ڈانٹ پھٹکار نہیں کیا، کیونکہ حضرت بلال اس کی حرمت سے ناواقف تھے۔

اسی طرح عدی بن حاتم اور صحابہ کی جماعت نے آیت: ﴿حتى يتبين لكم الخيط الأبيض من الخيط الأسود﴾ (۱۷) کے ظاہر کا اعتبار کر کے اس سے سیاہ وسفید دھاگا سمجھا، یہاں تک کہ بعض صحابہ اپنے سرہانے تکیہ کے پاس سفید اور سیاہ دھاگے رکھ کر کھاتے پیتے تا آنکہ ایک دوسرے سے نمایاں ہو جائے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

"ان وسادتكم لعريضة، وانما هو بياض النهار وسواد الليل" (۱۸)

(تمہارا تکیہ چوڑا ہے (یعنی تم نے کلام کا معنی سمجھا نہیں) آیت سے مراد دن کی سفیدی (صبح صادق) اور رات کی سیاہی (صبح کاذب) ہے۔)

---

(۱۵) بخاری، الخوف: ۹۴۶، مسلم، الجہاد: ۱۷۷۰۔　(۱۶) بخاری، الوکالۃ: ۲۳۱۲، مسلم، المساقاۃ: ۱۵۹۴۔

(۱۷) البقرۃ: ۱۸۷۔　(۱۸) بخاری، صوم: ۱۹۱۶، التفسیر: ۴۵۰۹، ۴۵۱۰، مسلم صیام: ۱۰۹۰۔

گویا آپ ﷺ نے کلام کا معنی نہ سمجھنے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور اس فعل پر ان کے مفطر صوم ہونے کی مذمت نہیں فرمائی، حالانکہ یہ اکبر کبائر میں سے ہے۔

اس کے برخلاف ان لوگوں کی سخت مذمت فرمائی جنھوں نے ایک زخمی سرد، لے کو سردی میں وجوب غسل کا فتوی دیا، اس نے غسل کیا اور مر گیا، آپ ﷺ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"قتلوه قتلهم الله، هلا سألوا اذ لم يعلموا، فان شفاء العي السوال" (۱۹)

(ان مفتیوں نے اس کو مار ڈالا، اللہ تعالی ان کو ہلاک کرے، جب انہیں مسئلہ معلوم نہیں تھا تو دوسروں سے پوچھا کیوں نہیں؟ کیونکہ عاجز شخص کا علاج اس کا سوال کرنا ہے)

یہ سخت ارشاد اس بنا پر تھا کہ ان کی یہ غلطی غیر اجتہادی تھی، اور وہ علم والے نہیں تھے۔

اسی طرح جب اسامہ بن زید نے ایک غزوہ میں لا الہ الا اللہ کے قائل کو قتل کر دیا، باوجودیکہ اس کو قتل کرنا حرام ہے (۲۰)، پھر بھی آنحضور ﷺ نے اسامہ پر قصاص یا دیت یا کفارہ واجب نہیں فرمایا، کیونکہ ان کے اجتہاد و اعتقاد میں اس کا قتل جائز تھا، انہوں نے یہ سمجھا کہ اس طرح کا اسلام صحیح نہیں ہے، سلف اور جمہور فقہاء نے اسی پر عمل کیا ہے، جیسا کہ باغیوں اور شر پسندوں کا اچھے لوگوں کے قتل کو تاویلاً مباح سمجھنا جائز ہے، اس میں قصاص یا دیت یا کفارہ کی ضمان نہیں ہے، اگر چہ ان لوگوں کا قتل وقتال حرام ہے۔

حرام کا ارتکاب کرنے والے کو وعید کے لاحق ہونے کے بارے میں جو شرط ہم نے ذکر کی ہے، ہر خطاب میں اس کے ذکر کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اس کا علم دلوں میں جاگزیں ہے، جیسا کہ عمل پر انعام کا وعدہ اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ خالص اللہ عز وجل کے لئے ہو اور ارتداد کی وجہ سے ضائع نہ ہوا ہو، لیکن یہ شرط حدیث وعد میں مذکور نہیں ہوتی ہے، اور جس جگہ موجب وعید کا قیام پوشیدہ ہوتا ہے، وہاں پر مانع کی بنا پر حکم مختلف ہوتا ہے۔

---

(۱۹) احمد: ۱/ ۳۷۰، ابوداود، الطہارۃ: ۳۳۶، ابن ماجہ الطہارۃ: ۱/ ۱۸۹۔

(۲۰) بخاری، المغازی: ۴۲۶۹، مسلم الایمان: ۹۶۔

موانع لحوق وعید

کسی حرام فعل پر وعید کے لاحق ولازم ہونے کے موانع متعدد ہیں، مثلاً (۱) توبہ (۲) استغفار (۳) وہ نیکیاں جو برائیوں کو مٹا دیتی ہیں (۴) دنیاوی مصائب وبلیات (۵) شفیع مطاع کی شفاعت (۶) ارحم الراحمین کی رحمت۔

جب یہ تمام اسباب وموانع غیر موجود ہوں، اور ایسے ہی لوگوں کے حق میں یہ مفقود ہوتے ہیں جو نافرمان اور سرکش ہوتے ہیں، اور اللہ تعالی کی نافرمانی ایسے کرتے ہیں جیسے سرکش اونٹ اپنے مالک کی کرتا ہے، تو اس وقت یہ وعید اس کو دھر دبوچتی ہے۔

وعید کی حقیقت اس معنی کا بیان ہے کہ فلاں عمل عذاب کا سبب ہے، اس بیان سے اس فعل کی حرمت اور اس عمل کی قباحت مستفاد ہوتی ہے، رہا یہ مسئلہ کہ جس شخص میں یہ سبب قیام پذیر ہے اس کا وقوع مسبب میں واجب ہے، تو یہ قطعی طور پر باطل ہے، کیونکہ یہ مسبب شروط کے وجود اور تمام موانع کے زوال پر موقوف ہے۔

ایضاح اجمال: اس اجمال کی توضیح یہ ہے کہ حدیث پر عمل کا تارک تین حال سے خالی نہیں ہے:

(۱) یا یہ ترک حدیث باتفاق مسلمین جائز ہے، جیسے اس شخص کے حق میں جسے حدیث پہنچی نہیں ہے، اور نہ اس نے فتوی یا حکم کی ضرورت کے وقت حدیث کی تلاش میں اپنی طرف سے کسی کوتاہی کو پسند کیا ہے، جیسا کہ اس کا بیان خلفاء راشدین وغیرہم کے تعلق سے گذر چکا ہے، اس صورت میں کوئی مسلمان شک نہیں کرتا ہے کہ اس تارک پر ترک حدیث کا عیب چسپاں نہیں ہوتا ہے۔

(۲) یا وہ ترک حدیث ناجائز ہے، اس قسم کا ترک ائمہ کرام سے امید نہیں ہے کہ صادر ہوسکے، لیکن کبھی کبھی بعض اہل علم کے بارے میں یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کا حکم معلوم کرنے میں وہ قاصر رہے ہوں گے، اور عدم اسباب کے باوجود اس مسئلہ میں نظر واجتہاد کر کے اس مسئلہ کے قائل ہو گئے ہوں۔

(۳) عالم جس چیز سے حجت پکڑ رہا ہے اس سے استدلال میں کوئی کوتاہی واقع ہو جائے، مثلاً اس کی نظر حجت کی انتہاء تک پہنچنے سے پہلے ہی اس مسئلہ کا قائل ہو جائے، یا اس پر کوئی عادت غالب آجائے، یا استدلال میں پوری طرح غور وفکر کرنے سے کوئی غرض مانع ہو جائے، اور وہ اس کے معارض میں نظر وفکر کرنے سے باز رہے، گو اس نے مسئلہ کو اجتہاد واستدلال کے بغیر نہیں بیان کیا ہے، کیونکہ اجتہاد کی جس حد تک پہنچنا واجب ہے، بعض دفعہ مجتہد اس پر پورے طور پر رسائی نہیں پاتا ہے، اسی لئے علماء اس قسم کے اجتہادی مسائل میں خوف زدہ رہتے تھے، ان کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ کہیں اس مخصوص مسئلہ میں ان کو معتبر اجتہاد حاصل نہ رہا ہو، اور وہ گناہ کے مرتکب ہو جائیں، البتہ اس گناہ کی سزا اس گنہگار کو ملتی ہے جس نے اس گناہ سے توبہ نہیں کی ہے، اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ استغفار، احسان، بلاء ومصیبت، شفاعت اور رحمت الٰہی کے سبب وہ گناہ درگذر ہو جاتا ہے۔

لیکن جس شخص پر خواہش نفس غالب ہوتی ہے، اس کو گناہ زمین پر ڈال دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ جانے پہچانے باطل کی طرف پلٹ جاتا ہے، پس ایسا شخص اس حکم میں داخل نہیں ہے۔

دیدہ بودم روئے تو دانستہ بودم خوئے تو
دیدہ و دانستہ خود را در بلا انداختم

(میں تمہاری صورت اور سیرت سے خوف واقف تھا، پھر بھی جانتے بوجھتے اپنے کو مصیبت میں ڈال دیا)

اسی طرح جو شخص کسی قول کے صواب یا خطا کا یقین رکھتا ہے، لیکن اس کے اثبات یا نفی کے دلائل کو پہچانتا نہیں ہے، تو وہ خواہش کا مغلوب اور یہ یقین رکھنے والا دونوں جہنمی ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

"القضاة ثلاثة: واحد في الجنة، واثنان في النار، فأما الذي في الجنة فرجل عرف الحق فقضى به، ورجل عرف الحق فجار في الحكم

فهو في النار، ورجل قضى الناس على جهل فهو في النار" ۔ (۲۱)

(قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، ان میں ایک قسم جنتی ہے، اور دو جہنمی ہیں، جنتی وہ قاضی ہے جس نے حق کو سمجھا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا، لیکن جس نے حق کو جانتے ہوئے اس کے خلاف فیصلہ کیا وہ جہنمی ہے، اسی طرح جس نے حق و ناحق کو جانے بوجھے بغیر فیصلہ کیا وہ بھی جہنمی ہے)۔

یہی حکم مفتیوں کے لئے بھی ہے۔

شخص معین کو وعید لاحق ہونے کے موانع

شخص معین کو بھی وعید لاحق ہونے کے موانع ہیں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے، پس امت کے نزدیک بعض نامور و لائق ستائش علماء کے بارے میں یہ فرض کیا جائے کہ ترک حدیث کے استدلال میں ان سے کوتاہی واقع ہوئی ہے، اور انہوں نے وعید والے کام کئے ہیں، اگر چہ یہ کوتاہی اور قصور ان سے بعید اور غیر واقع ہے، تاہم اسباب مذکورہ میں سے کوئی سبب رہا ہوگا، اور اگر یہ غلطی و کوتاہی ان سے واقع میں صادر ہو جائے تو یہ ان کی امامت میں علی الاطلاق قادح نہیں ہوگی، کیونکہ ہم کسی کی عصمت کے معتقد نہیں ہیں، بلکہ ان سے گناہ کا وقوع جائز سمجھتے ہیں، اس کے باوجود ہم ان کے لئے درجات عالیہ کی امید رکھتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو خصوصی طور پر اعمال صالحہ اور احوال پاکیزہ سے نوازا ہے۔

یہ ہستیاں گناہوں اور غلطیوں پر اصرار نہیں کرتی تھیں، جس طرح کہ ان کے پیروکار حجت ظاہر ہونے کے بعد بھی اڑے جمے رہتے ہیں، جب کہ ان کا درجہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے درجہ سے بالاتر نہیں ہے، حالانکہ فتاوی، قضایا اور ان کے درمیان قتل و قتال سے متعلق ان کے اجتہاد کے بارے میں ہمارا قول وہی ہے۔

یہ جان لینا کہ مذکورہ اسباب کی بنا پر تارک حدیث معذور بلکہ ماجور ہے، اس امر سے مانع نہیں ہے کہ امام یا عالم کے قول کے معارض صحیح احادیث ہمیں معلوم نہیں ہیں تو ان کی

(۲۱) ابوداود، الأقضية: ۳۵۷۳، صحیح۔

تلاش و دریافت کریں، یہ اعتقاد کافی نہیں ہے کہ امت کے حق میں احادیث پر عمل اور ان کی تبلیغ واجب ہے، اس امر میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے کہ صحیح احادیث کی تلاش و جستجو جاری رہنی چاہئے۔

متروک احادیث کی دو قسمیں

ایسی احادیث جو ائمہ و فقہاء سے ترک ہوئی ہیں دو طرح کی ہیں، ایک یہ کہ حدیث کی دلالت اس طور پر قطعی ہے کہ اس کی سند اور متن دونوں قطعی ہوں، یہ قسم اس جنس سے ہے کہ جس کے بارے میں ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، اور اسی صورت کا اس سے ارادہ کیا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ حدیث کی دلالت ظاہر اور غیر قطعی ہو، پس پہلی قسم کی احادیث کے مطلوب پر علمی و عملی اعتبار سے اعتقاد رکھنا واجب ہے، اس میں اہل علم کے درمیان مجموعی طور پر کوئی اختلاف نہیں ہے، اتنی بات ہے کہ بعض احادیث میں یہ اختلاف کرتے ہیں کہ وہ قطعی السند اور قطعی الدلالۃ ہے یا نہیں؟ مثلاً خبر واحد جسے امت میں تلقی بالقبول اور تصدیق حاصل ہے، یا اس پر عمل کے بارے میں امت نے اتفاق کیا ہے، اس طرح کی خبر واحد میں علماء نے اختلاف کیا ہے، عام فقہاء اور اکثر متکلمین کے نزدیک یہ خبر مفید علم ہے، متکلمین کا ایک گروہ اس کے مفید علم نہ ہونے کا قائل ہے۔

اسی طرح وہ حدیث جو متعدد طرق سے مروی ہے، اس کے بعض طرق بعض کی تصدیق کرتے ہیں، اور اس کے راوی مخصوص لوگ ہیں، تو یہ حدیث اس عالم کے حق میں علم یقین کا فائدہ دے گی جو ان طرق کا، رواۃ کے احوال کا اور اس حدیث کو احاطہ کئے ہوئے قرائن کا جان کار ہو، اگرچہ اس حدیث کا علم ایسے شخص کو حاصل نہیں ہوتا ہے جو ان معلومات میں اس کا شریک نہیں ہے، اسی لئے حدیث کے بلند پایہ علماء جو اس حدیث کی معرفت میں متبحر و ماہر ہوتے ہیں ان کو اس نوع کی احادیث کا یقین تام حاصل ہوتا ہے، ان کے برخلاف جو اہل علم صدق حدیث کا علم ظن بھی نہیں رکھتے ان کو اس کے صدق کا یقین کیا ہوگا؟

اس مسئلہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ خبر کے مفید علم ہونے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، کبھی خبر اپنے مخبرین کی کثرت کی وجہ سے علم کا فائدہ دیتی ہے، کبھی مخبرین کی صفات کی بنا پر، کبھی نفس خبر ہی مفید علم ہوتی ہے، کبھی مخبرین کے نفس ادراک کی راہ سے اور کبھی مخبر بہ کی کیفیت کے لحاظ سے خبر علم کا فائدہ دیتی ہے، یہی وہ وجوہ وجہات ہیں جن سے کبھی تھوڑے سے لوگوں کی خبر لوگوں کے لئے مفید علم ہوجاتی ہے، کیونکہ ان کا حفظ ودیانت خبر کو کذب وخطا سے محفوظ رکھتی ہے، جب کہ دوسرے جو اس عدد قلیل والوں سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں ان کی خبر علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے، یہ ایسی حقیقت ہے کہ جو ہر شک وشبہہ سے بالاتر ہے۔

وهـذا الحق ليس به خفاء

فدعني عن بنيات الطريق

(یہ امر حق بالکل واضح ہے، لہذا اسی کو لازم پکڑو اور چھوٹے چھوٹے راستوں کو چھوڑ دو)

جمہور فقہاء، محدثین، متکلمین کے سارے گروہ اور متکلمان کی ایک جماعت کا قول یہی ہے، بعض فقہاء کا خیال ہے کہ جن تعداد کے لوگوں کی خبر کسی ایک معاملے میں مفید علم ہوئی ہے، اس جیسی عدد والوں کی خبر ہر معاملے میں علم کا فائدہ دیتی ہے، یہ مذہب قطعی طور پر باطل ہے، اور یہ جگہ اس کے بیان کے لائق نہیں ہے۔

رہی خبر کے افادۂ علم میں مخبرین سے خارج قرائن کی تاثیر تو ہم اس کو ذکر نہیں کررہے ہیں، کیونکہ یہ قرائن کبھی خبر سے الگ ہوتے ہوئے بھی علم کا فائدہ دیتے ہیں، اور جب بذات خود مفید علم ہوئے تو اس کی ضرورت نہیں رہی کہ ان کو علی الاطلاق تابع خبر بنایا جائے، جیسا کہ خبروں کو قرائن کا تابع نہیں بنایا گیا ہے، بلکہ خبر اور قرینہ میں سے ہر ایک کبھی علم کا اور کبھی ظن کا ذریعہ ہوتی ہے، اگرچہ ایسا اتفاق کیوں نہ پیش آئے کہ علم کا موجب دونوں ہوں، یا ان میں سے ایک ہو، یا موجب ظن دوسرا ہو، جو لوگ اخبار (احادیث) کے زیادہ جانکار ہوتے ہیں وہ کبھی ایسی خبروں کی سچائی کا یقین کرتے ہیں جن کی سچائی پر ان سے کم تر علم والے یقین نہیں رکھتے ہیں۔

دلالت قطعی: اہل علم کبھی خبر کے قطعی الدلالۃ ہونے کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں، اور اس کی بنا اس اختلاف پر ہوتی ہے کہ یہ حدیث نص ہے یا ظاہر؟ اگر ظاہر ہے تو اس میں نافی احتمال مرجوح ہے یا غیر مرجوح؟ یہ باب بہت وسعت رکھتا ہے، کیونکہ جن احادیث کے بارے میں علماء کی ایک جماعت قطعی الدلالۃ ہونے کی قائل ہے اور دوسرے اس کے قائل نہیں ہیں، تو قائلین کی بنیاد کبھی اس امر پر ہوتی ہے کہ ان کے علم کے مطابق حدیث اس معنی کے سوا دوسرا احتمال نہیں رکھتی ہے، یا حدیث کو دوسرے معنی پر حمل کرنا ممتنع ہے، یا ان کے علاوہ دلیلیں ہوسکتی ہیں جو قطعیت کی موجب ہوتی ہیں۔

دلالت غیر قطعی: رہی حدیث کی دوسری قسم جو ظاہر غیر قطعی الدلالۃ سے عبارت ہے، تو معتبر علماء کے نزدیک بالاتفاق احکام شرعیہ میں اس پر عمل کرنا واجب ہے، یہ ظاہر حدیث اگر وعید وغیرہ جیسے علمی حکم کو متضمن ہے، تو اس میں علماء کا اختلاف ہے، فقہاء کے ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ جو خبر واحد عدل کسی فعل پر وعید کو متضمن ہو وہ اس فعل کی تحریم کے بارے میں واجب العمل ہے، لیکن وعید کے بارے میں اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا، (یعنی حرمت فعل ثابت ہوگی، اور وعید لازم نہیں ہوگی) مگر اس صورت میں کہ خبر قطعی ہو۔

اسی قسم کا یہ مسئلہ بھی ہے کہ اگر متن قطعی ہو، لیکن اس کی دلالت ظاہر (غیر قطعی) ہے، پھر بھی اس پر عمل واجب ہوگا، اسی پر حضرت عائشہ کا یہ قول محمول ہے۔

"ابلغي زيدا أنه قد أبطل جهاده مع رسول الله ﷺ الا أن يتوب".

(زید کو خبر دار کردو کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اپنے جہاد کو باطل کردیا، مگر یہ کہ وہ توبہ کرلیں)

علماء کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ نے وعید کا ذکر اس لئے کیا کہ وہ اس کی عالمہ تھیں، اور ہم ان کی خبر پر تحریم فعل کے بارے میں عمل تو کرتے ہیں، لیکن ان کی ذکر کردہ وعید کے قائل نہیں ہیں، کیونکہ یہ حدیث ہمارے پاس خبر واحد کے ذریعہ پہنچی ہے۔

وعید کا تعلق امور علمیہ سے ہے

علماء مذکورین کی دلیل یہ ہے کہ وعید ایک علمی امر ہے، وہ ایسی دلیل سے ثابت ہوتی ہے جو علم کا فائدہ دے، نیز جب کوئی کام اس نوع کا ہو کہ اس کے حل میں اجتہاد کی گنجائش ہو تو اس کام کرنے والے کو وعید لاحق نہیں ہوگی، ان لوگوں کے قول پر تحریم افعال میں احادیث وعید مطلقاً لائق استدلال ہیں، رہا ان سے وعید کا ثبوت تو اسی وقت ہوسکتا ہے کہ ان کی دلالت قطعی ہو۔

اسی قبیل سے اکثر علماء کا ان قراءات قرآن پر استدلال ہے جو بعض صحابہ سے صحت کے ساتھ منقول ہیں، حالانکہ وہ قراءات مصحف عثمانی میں نہیں ہیں، یہ قراءات علم و عمل کو متضمن ہیں، گو صحیح خبر واحد سے ثابت ہیں، اسی لئے علماء نے اثبات عمل میں ان سے استدلال کیا ہے، اگرچہ ان سے قرآن کا اثبات نہیں آیا ہے، کیونکہ یہ امور علمیہ میں سے ہے، جو یقین کے سوا کسی اور طریقے سے ثابت نہیں ہوتا ہے۔

اکثر فقہاء کے نزدیک یہ احادیث آحاد ان تمام چیزوں میں حجت ہیں جو عمل اور وعید کو متضمن ہیں، یہی عام سلف کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور ان کے تابعین نے ہمیشہ ان احادیث سے وعید کا اثبات کیا ہے، جس طرح انہوں نے ان سے عمل کا اثبات کیا ہے، انہوں نے تصریح کیا ہے کہ ان احادیث میں مذکورہ وعید اس فعل کے کرنے والے کو بالجملہ لاحق ہوگی، یہ بات ان کی حدیثوں اور فتووں میں جابجا پھیلی ہوئی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ وعید بھی احکام شرعیہ میں سے ایک حکم ہے، اس کا ثبوت کبھی دلائل ظاہرہ سے اور کبھی دلائل قطعیہ سے حاصل ہوتا ہے۔

مطلوب وعید: وعید سے مطلوب یقین کامل نہیں ہے، بلکہ اس سے ایسا اعتقاد مطلوب ہے جس میں یقین اور ظن غالب دونوں داخل ہوں، جیسا کہ احکام عملیہ میں یہی معنی مطلوب ہے، مثلاً انسان کا یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالی نے اس کام کو حرام کیا ہے، اور اس کے فاعل کو مجمل سزا سے ڈرایا ہے، یا یہ اعتقاد کرنا کہ اللہ تعالی نے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے، اور اس کے ارتکاب پر معین سزا کی وعید سنائی ہے، ان دونوں اعتقادات میں اس

حیثیت سے کوئی فرق نہیں ہے کہ یہ دونوں خبریں اللہ تعالی کی جانب سے ہیں، جیسا کہ اس کی طرف سے اول کے بارے مطلق دلیل سے خبر دینا جائز ہے، اسی طرح دوسری کے بارے میں بھی خبر دینا درست ہے، بلکہ اگر کوئی کہنے والا یہ کہے کہ وعید کے بارے میں اس خبر پر عمل زیادہ مؤکد ہے، تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا۔

اسی لئے علماء نے احادیث ترغیب وترہیب کی اسانید میں تسہیل کا راستہ اختیار کیا ہے، اور احادیث احکام کی اسانید میں اس طرح کی سہل انگاری ونرمی سے پرہیز کیا ہے، کیونکہ وعید کا اعتقاد انسان کو اس کام کے ترک پر آمادہ کرتا ہے، اس لئے کہ اگر یہ وعید حق وسچ ہے، تو اس کام کے ترک کی صورت میں اس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے، اس کی غلطی اگر ہے تو یہ ہے کہ اس نے اس فعل پر زیادہ سزا ہونے کا اعتقاد کیا ہے، جس طرح کم سزا کا اعتقاد رکھنے کی صورت میں ہوسکتا ہے کہ وہ غلطی پر ہو۔

اسی طرح اگر کوئی شخص عقوبت کے بارے میں بحیثیت نفی یا اثبات کوئی اعتقاد نہیں رکھتا ہے تو اس کی وجہ سے کبھی غلطی میں پڑ جائے گا، اور یہ اعتقادی غلطی وعید والے کام کو اس کی نظر میں آسان اور معمولی کر دکھائے گی، پھر وہ اس کام میں مبتلا ہو جائے گا، اور زائد سزا کا سزاوار ٹھہرے گا، بشرطیکہ وہ عقوبت وسزا ثابت ہو، یا اس سزا کے مستحق ہونے کا سبب اس کے ساتھ قائم رہا ہو، بہرحال اعتقاد کے بارے میں دونوں صورتیں یعنی وعید کا اعتقاد اور عدم اعتقاد خطا ہونے میں برابر ہیں، البتہ اعتقاد وعید کی صورت میں عذاب سے نجات اقرب ہے، پس یہ صورت اولی ہوگی، اسی دلیل سے عام علماء نے منع کی دلیل کو اباحت والی دلیل پر ترجیح دیا ہے، اور بہت سے فقہاء نے اسی معنی کی بنا پر بہتیرے احکام میں احتیاط کا طریقہ اختیار کیا ہے۔

فعل میں احتیاط

جس فعل کے بارے میں وعید کا ذکر ہے اس میں احتیاط کی راہ پر چلنا ایک مستحسن امر ہے، اس پر عقلاء کا اجماع ہے، اور جب اعتقاد وعید کی نفی میں خطا کا خوف عدم اعتقاد میں

خطا سے خوف کا مقابل ہوگا تو اس کے اعتقاد کو واجب کرنے والی دلیل اور اس اعتقاد پر آمادہ کرنے والی نجات یہ دو دلیلیں معارض سے سالم باقی رہتی ہیں۔

یہ کہنا جائز نہیں ہوسکتا کہ وعید پر دلیل قطعی نہ ہونا وعید کے عدم پر دلیل ہے، اس کو اس طرح سمجھیں کہ مصحف میں مذکورہ قراءات سے زائد قراءات پر خبر متواتر کا نہ ہونا زائد قراءت کے نہ ہونے پر دلیل نہیں ہے، کیونکہ عدم دلیل عدم مدلول علیہ پر دال نہیں ہوتی ہے، اور جو شخص امور علمیہ میں سے کسی امر کی نفی پر یقین اس بنا پر رکھتا ہے کہ اس کے وجوب پر دلیل قطعی نہیں ہے، جیسا کہ متکلمین کی ایک جماعت کا طریقہ ہے، تو وہ کھلی ہوئی غلطی کر رہا ہے، لیکن جب ہم جانتے ہیں کہ وجود شئ دلیل قطعی کو مستلزم ہے، اور تحقیق کے بعد دلیل نہیں ملی، تو ہم نے یقین کرلیا کہ مستلزم شئ کا وجود نہیں ہے، کیونکہ عدم لازم عدم ملزوم پر دلیل ہوتا ہے۔

ہم سب کو معلوم ہے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے دین کو نقل و بیان کے دواعی بے شمار ہیں، اور امت کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے کہ حاجت عامہ کی کوئی چیز جس کے نقل و بیان کی وہ محتاج ہے اسے چھپائے، بریں بنا جب کوئی چیز بنقل عام منقول نہیں ہے، جیسے چھٹویں نماز اور وہ دوسری سورتیں جن کے شیعہ حضرات قائل ہیں، تو ہم نے یقین کے ساتھ جان لیا کہ اس قسم کی چیزوں کا کوئی وجود نہیں ہے، واضح رہے کہ وعید کا باب اس سے مختلف ہے، کیونکہ جو وعید کسی کام پر آئی ہے اس میں یہ واجب نہیں ہے کہ نقل متواتر سے منقول ہو، جس طرح اس کام کے حکم میں یہ واجب نہیں ہے۔

احادیث وعید واجب العمل ہیں

یہیں سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ وعید کو متضمن احادیث اپنے مقتضیات میں واجب العمل ہیں، ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھنا ہے کہ اس کا فاعل وعید مذکور کا مصداق ہے، لیکن اس کو وعید کا لاحق ہونا چند شروط پر موقوف ہوگا، کیونکہ وعید کے موانع بھی ہیں، اس قاعدہ کی وضاحت کے لئے مثالیں ملاحظہ ہوں۔

صحیح حدیث میں ہے:

"لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله وكاتبه وشاهديه"۔ (۲۲)
(رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والے پر لعنت فرمائی ہے)۔

نیز کئی طرق سے مروی صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دو صاع کو ایک صاع کے بدلے نقداً فروخت کرنا عین ربا ہے''۔ (۲۳)

ایسے ہی دوسری حدیث میں ہے: "البر بالبر الا هاء وهاء" الحدیث (۲۴)
ان حدیثوں میں ربا کی دونوں قسمیں یعنی ربا فضل اور ربا نسیئہ دونوں داخل ہیں (پس ہر نوع کا مرتکب لعنت کا مصداق ہوگا)۔

جن لوگوں کو نبی ﷺ کی حدیث "لا ربا الا في النسيئة" (۲۵) پہنچی (یعنی صرف ادھار کی صورت میں ربا ثابت ہوتا ہے) ان لوگوں نے دو صاع کو ایک صاع کے بدلے نقداً فروخت کرنا حلال قرار دیا ہے، ان لوگوں کی ایک تعداد ہے، جس میں ابن عباس اور ان کے اصحاب ہیں، جیسے ابو الشعثاء، عطاء، طاؤس، سعید بن جبیر اور عکرمہ وغیرہم، جو اہل مکہ مکرمہ کے اعیان میں سے ہیں، اور امت میں علم و عمل کے اعتبار سے برگزیدہ ہستیاں ہیں، پس کسی مسلمان کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ ان میں سے یا ان کے قدم پر چلنے والوں میں سے بایں صورت کہ اس کی تقلید جائز ہو، کسی معین شخص کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ سود کھانے والے کی لعنت میں گرفتار ہیں، کیونکہ ان لوگوں نے فی الجملہ جائز تاویل کے ذریعہ اس کام کو مباح سمجھا ہے۔

اسی طرح دُبر میں جماع کا مسئلہ ہے، اس کے بارے میں اہل مدینہ منورہ کے فضلاء کی ایک جماعت سے یہی حال منقول ہے، حالانکہ امام ابوداود نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

---

(۲۲) مسلم، المساقاۃ: ۱۵۹۷، ۱۵۹۸، ابوداود، بیوع: ۳۳۳۳۔ (۲۳) مسلم المساقاۃ: ۱۵۹۴۔
(۲۴) بخاری بیوع: ۲۱۷۴، مسلم المساقاۃ: ۱۵۸۶۔ (۲۵) بخاری بیوع: ۲۱۷۸، مسلم المساقاۃ: ۱۵۹۶۔

"من أتى امرأة في دبرها فهو كافر بما نزل على محمد" (۲۶) (جس نے عورت کی دبر میں جماع کیا وہ محمد ﷺ پر نازل شدہ حکم کا منکر ہے) اس جگہ میں کسی مسلمان کو حق نہیں پہنچتا کہ اس بحث میں پڑ کر یہ کہے کہ فلاں فلاں لوگ آں حضرت ﷺ پر نازل شدہ چیز کے منکر و کافر تھے۔

اسی طرح آں حضرت ﷺ سے ثابت ہے کہ شراب کے تعلق سے دس لوگوں پر لعنت فرمائی ہے، جو شراب پینے والے، شراب بنانے والے، شراب کشید کرنے والے وغیرہ ہیں۔ (۲۷)

آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "كل شراب أسكر فهو خمر" دوسری حدیث میں ہے: "كل مسكر خمر" (۲۸) (ہر نشہ آور چیز خمر (شراب) ہے۔)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کے درمیان منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "الخمر ما خامر العقل" (۲۹) (جو چیز عقل پر پردہ ڈال دے خمر ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے خمر (شراب) کی حرمت نازل فرمائی ہے، اور اس کے نزول کا سبب یہ تھا کہ اس وقت مدینہ منورہ میں جو شراب پی جاتی تھی وہ صرف کھجور کی شراب ہوتی تھی، مدینہ والوں کو شراب انگور یا اور کوئی شراب میسر نہ تھی، اس سے کوفہ کے چند اہل علم وعمل افاضل امت نے یہ اعتقاد رکھا کہ شراب صرف انگور سے کشید کی ہوئی ہوتی ہے جو حرام ہے، باقی اس کے علاوہ کھجور وغیرہ کی نبیذ (عرق) حرام نہیں ہے، مگر اتنی مقدار جو نشہ لائے، ان لوگوں نے اس نوع کی شراب کو حلال سمجھا اور نوش بھی کیا، یہاں پر کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ یہ کہے کہ یہ شراب پینے والے حدیث میں مذکور وعید کے تحت داخل ہیں، اس لئے کہ ان کے لئے

---

(۲۶) ابوداود میں یہ حدیث ابوہریرہ سے بایں الفاظ مروی ہے: "قال رسول الله ﷺ: ملعون من أتى امرأة في دبرها" ابوداود، نکاح: ۲۱۶۲، وفی روایۃ "من أتى كاهنا ... أو أتى امرأة في دبرها فقد برئ مما أنزل الله على محمد"۔ طب: ۳۹۰۴، وأخرجه الترمذي بلفظ: "فقد كفر بما أنزل على محمد" ترمذی، طہارۃ: ۱۳۵، صحیح۔

(۲۷) صحیح الجامع الصغیر: ۵۰۹۱۔ (۲۸) مسلم الاشربۃ: ۲۰۰۳۔ (۲۹) بخاری تفسیر: ۴۶۱۹، ابوداود الاشربۃ: ۳۶۶۹۔

عذر ہے، اسی سے حدیث کی تاویل کئے ہیں، یا دوسرے موانع وعید موجود ہیں، اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ ان لوگوں نے جو شراب نوش کی ہے یہ وہ خمر نہیں ہے جس کا پینے والا ملعون ہے، کیونکہ اس کے بارے میں قول رسول عام ہونے کے سبب خمر میں اس کا شامل ہونا ناگزیر ہے، اگرچہ مدینہ منورہ میں اس وقت انگور کی شراب کا وجود نہیں تھا۔

آں حضرت ﷺ نے شراب فروخت کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے، حالانکہ آپ کے بعض اصحاب نے بادہ فروشی کیا، یہاں تک کہ یہ معاملہ حضرت عمر کے پاس پہنچا، انہوں نے کہا: "قاتل الله فلانا ألم يعلم أن رسول الله ﷺ قال: قاتل (لعن) الله اليهود حرمت عليهم الشحوم فباعوها وأكلوا ثمنها (أثمانها)"۔ (۳۰)

(اللہ تعالیٰ فلاں شخص کو برباد کرے، کیا اسے معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہود پر لعنت فرمائے، ان پر چربی حرام کی گئی تو اس کو فروخت کرکے اس کی قیمت کو خورد ونوش کے لئے استعمال کیا)۔

حضرت عمر کو اس وقت یہ بات معلوم نہیں تھی کہ شراب فروخت کرنی حرام ہے، اس کے باوجود ان کو اس بات سے کوئی مانع نہیں ہوا کہ اس گناہ کی سزا بیان کریں، تاکہ وہ شخص اور دوسرے اس کا علم ہونے کے بعد اس سے باز رہیں۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے شراب نچوڑنے والے اور نچوڑوانے والے پر لعنت فرمائی ہے، اور بہت سے فقہاء نے دوسرے کے لئے انگور کا عرق نچوڑنا جائز کہا ہے، چاہے وہ جانتا ہو کہ اس دوسرے شخص کی نیت اس عرق انگور سے شراب سازی ہے، حالانکہ حدیث مذکور شراب نچوڑنے والے کی لعنت پر نص ہے، یہاں بھی وہی قاعدہ جاری ہوگا کہ مانع کے سبب معذور شخص کے حق میں حکم جاری نہیں ہوتا ہے۔

اسی طرح چند صحیح حدیثوں میں واصلہ اور مستوصلہ (اپنے بال میں دوسرے کا بال ملانے لگانے اور لگوانے والی عورت) پر لعنت آئی ہے (۳۱)، بعض فقہاء نے اس کو صرف

(۳۰) بخاری بیوع: ۲۲۲۲، مسلم المساقاۃ: ۱۵۸۳۔

مکروہ کہا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

" الذی یشرب فی آنیة الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم " (۳۲) (جو شخص چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ غٹ غٹ پیتا ہے) بعض فقہاء نے اس کو مکروہ تنزیہی کے درجہ میں رکھا ہے۔

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"اذا التقی المسلمان بسیفیهما فالقاتل والمقتول فی النار" (۳۳) (جب دو مسلمان اپنی اپنی تلواروں سے ایک دوسرے پر حملہ کریں تو قاتل اور مقتول جہنمی ہیں)

مسلمانوں کے باہمی قتال ناحق کی حرمت کے بارے میں اس حدیث پر عمل کرنا واجب ہے، اور ہمیں معلوم ہے کہ دور اول کے مسلمانوں کی دو جنگیں جو جمل اور صفین کے نام سے مشہور ہیں، ان میں شریک مقاتلین ہرگز جہنمی نہیں ہیں، کیونکہ ان کے لئے قتال کے بارے میں عذر اور تاویل کا سبب تھا، اور ان کی عظیم حسنات بھی ہیں جو اس حدیث کے مقتضی پر عمل سے مانع ہیں۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ:

"ثلاثة لا یکلمهم الله ولا ینظر الیهم یوم القیامة ولا یزکیهم ولهم عذاب ألیم، رجل علی فضل ماء بالطریق یمنعه من ابن السبیل، فیقول الله له الیوم أمنعك فضلی كما منعت ما لم تعمل یداك، ورجل بایع اماما لا یبایعه الا لدنیا، ان أعطاه رضی وان لم یعطه سخط، ورجل حلف علی سلعة بعد العصر كاذبا لقد أعطی بها أكثر مما أعطی" (۳۴) (تین شخص ہیں جن سے اللہ تعالی قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا، نہ

(۳۱) بخاری لباس: ۵۹۳۳، مسلم، لباس: ۲۱۲۲۔
(۳۲) بخاری الاشربۃ: ۵۶۳۴، مسلم لباس: ۲۰۶۵۔
(۳۳) بخاری، ایمان: ۳۱، مسلم فتن: ۲۸۸۸۔
(۳۴) بخاری المساقاۃ: ۲۳۵۸، ۲۳۶۹، مسلم ایمان: ۱۰۸۔

ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ایک وہ شخص جس کے پاس راستے میں فاضل پانی ہے، اور مسافر کو اس کے استعمال سے روکتا ہے، اللہ تعالی اس سے فرمائے گا آج میں اپنا فضل تم سے روک رکھوں گا، جس طرح تم نے اس چیز پر روک لگائی تھی جو تمہاری کمائی کی نہیں تھی، دوسرا وہ شخص جس نے امام (خلیفہ) سے صرف دنیاوی مفاد کے لئے بیعت کیا، اگر امام اس کو عطیہ دے تو خوش رہے ورنہ ناراض ہو جائے، تیسرا وہ شخص جس نے سامان تجارت فروخت کرنے کے لئے عصر کے بعد جھوٹی قسم کھائی کہ اس کو سامان کی جو قیمت دی جارہی ہے، اس سے زیادہ قیمت دینے کی پیش کش کی جا چکی ہے)

اس حدیث میں اپنی ضرورت سے زائد پانی روکنے اور ضرورت مند کو نہ دینے والے کے حق میں بہت بڑی وعید ہے، اس کے باوجود علماء کی ایک جماعت نے زائد پانی روک رکھنے کو جائز ٹھہرایا ہے، پس مذکورہ مسائل میں یہ اختلاف ان امور کی تحریم کا اعتقاد رکھنے سے مانع نہیں ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ وہ حدیثیں ثابت اور ان سے استدلال مسلم ہے، اور نہ حدیث کا آنا ہمیں اس اعتقاد سے مانع ہے کہ اس میں تاویل کی راہ پر چلنے والا معذور ہے، اور یہ وعید اس کے حال کو لاحق نہیں ہوتی ہے۔

حلالہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لعن اللہ المحلل والمحلل له" (۳۵) (یعنی حلالہ کرنے کرانے والے پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے)

یہ حدیث صحیح ہے، اور متعدد طرق سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب سے مروی ہے، اس کے باوجود علماء کی ایک جماعت نے نکاح حلالہ کو مطلقا درست قرار دیا ہے، اور بعض علماء نے اس کو صحیح بنانے کے لئے کہا ہے کہ عقد نکاح میں تحلیل کی شرط نہ ہو، اس باب میں ان لوگوں کے عذرو بہانے معروف ہیں، اس لئے کہ پہلے گروہ کے نزدیک قیاس اصول یہ ہے کہ شروط کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، جیسا کہ عوضین میں سے ایک کے مجہول

---

(۳۵) احمد: ۱/ ۴۴۸، ۴۶۲، ۴۸۷، ابوداود، نکاح: ۲۰۷۶، ترمذی نکاح: ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، نسائی ۶/ ۱۴۹ (۳۴۱۶)، ابن ماجہ ۱/ ۶۲۲۔ صحیح۔

ہونے سے عقد باطل نہیں ہوتا، دوسرے گروہ کے نزدیک قیاس اصول یہ ہے کہ شروط مقترنہ سے خالی عقود میں احکام عقود متغیر نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ کسی اور طریقے سے شروط ان میں شامل ہوں۔

ظاہر بات یہ ہے کہ اس قول کے قائلین کو تحریم کی حدیث مذکور نہیں پہنچی، کیونکہ ان کی اولین کتابوں میں یہ حدیث شامل نہیں ہے، اگر ان کو یہ حدیث پہنچی ہوتی تو اس کو ذکر کرتے ،اور اسی کو لیتے، یا اس کے جواب میں کچھ کہتے، دوسری وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ حدیث مذکور ان کو پہنچی ہو، لیکن اس کی تاویل کیا، یا اس کو منسوخ سمجھ لیا، یا ان کے پاس اس حدیث کے معارض کوئی دلیل رہی، اور ہم جانتے ہیں کہ ان لوگوں نے اگر مذکورہ طریقے سے فعل حلالہ کو حلال اور جائز مانا ہے، تو ان کو یہ وعید نہیں پہنچتی ہے، پھر بھی ہمارے لئے اس امر سے مانع نہیں ہے کہ تحلیل کو وعید مذکور کا سبب سمجھیں، اگرچہ بعض افراد کے حق میں شرط فوت ہونے یا مانع کے وجود کی بنا پر وعید موقوف رہتی ہے۔

اسی طرح زیاد بن ابیہ کے نسب کا معاملہ ہے، جو حارث بن کندہ کے فراش پر پیدا ہوا تھا، ابوسفیان کا دعوی تھا کہ زیاد ان کے نطفہ سے ہے، اس لئے حضرت معاویہ نے اس کو اپنے خاندان میں ملایا، حالانکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"من ادعى الى غير أبيه وهو يعلم أنه غير أبيه فالجنة عليه حرام" (۳۶) (جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرے، حالانکہ وہ جانتا ہے کہ وہ اس کا باپ نہیں ہے، تو اس پر جنت حرام ہے)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"من ادعى الى غير أبيه، أو تولى الى غير مواليه فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين، لا يقبل الله عنه يوم القيامة صرفا ولا عدلا" (۳۷) (جو شخص اپنے باپ کے علاوہ دوسرے شخص کی طرف اپنی نسبت کرے، یا

(۳۶) بخاری المغازی: ۴۳۲۶، فرائض: ۶۷۶۵، ۶۷۶۶، مسلم ایمان: ۶۳۔

اپنے آقا کے علاوہ دوسرے کو اپنا آقا بتائے تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی کوئی نفل وفرض عبادت قبول نہیں فرمائے گا)

ایک اور صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بچہ فراش کے لئے ہے'' (۳۸) (یعنی بچے کا باپ یا مالک وہی شخص ہے جس کی زوجیت یا ملکیت میں اس کی ماں ہو) یہ حکم اجماعی احکام میں سے ہے۔

ہم اعتقاد رکھتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ جو شخص اپنے صاحب فراش باپ کے علاوہ کی طرف منتسب ہوا وہ رسول اللہ ﷺ کے کلام میں داخل ہے، اس کے باوجود غیر صحابہ میں سے بھی کسی ایک کو اس وعید کے ساتھ معین کرنا جائز نہیں ہے، صحابہ کے حق میں اس کا تصور ہی بہت دور کی بات ہے، پس یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ وعید فلاں شخص کو لاحق ہے، (مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں ملعون ہے) کیونکہ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو ولد فراش کے بارے میں فیصلہ نبوت اور حکم رسالت نہ پہنچا ہو، اور انہوں نے یہ بات اختیار کر لی کہ بچہ اسی شخص کا ہے جس سے بچہ کی ماں حاملہ ہوئی ہے، جیسا کہ ابوسفیان کے نطفہ سے زیاد بن ابیہ کی ماں سمیہ کا معاملہ ہے، کیونکہ اس قسم کا حکم بہت سے لوگوں پر مخفی رہتا ہے، بالخصوص ایسی حالت میں کہ عادت جاہلیت بھی ایسی ہی تھی، سنت کی اشاعت ابھی نہیں ہوئی تھی، یا اس کے علاوہ کوئی مانع درپیش رہا، مقتضائے وعید سے مانع امر یہ بھی ہے کہ ایسے نیک کام کئے جائیں جو سیئات کو محو کر دیں، وغیر ذلک۔

یہ باب وسیع ہے، اس میں وہ تمام امور داخل ہیں جو کتاب وسنت میں حرام قرار دیئے گئے ہیں، لیکن بعض اعیان کو تحریم کی دلیلیں نہیں پہنچی ہوں گی، جس کی بنا پر ان کو حلال کر دیا ہے، یا ان کے معارض دلیلیں بھی پہنچیں، انہوں نے اپنے علم وعقل کے مطابق اجتہاد کی راہ سے ان معارضات کو راجح سمجھا۔

---

(۳۷) بخاری مدینہ: ۱۸۷۰، جزیۃ، ۳۱۷۲، مسلم العتق: ۱۳۷۰۔

(۳۸) بخاری بیوع: ۲۰۵۳، ۲۲۱۸، مسلم الرضاع، ۱۴۵۷، ۱۴۵۸۔

واضح رہے کہ تحریم کے لئے احکام ہیں، جیسے گناہ، مذمت، عقوبت اور فسق وغیرہ لازم آنا، لیکن ان کے لئے کچھ شروط اور موانع بھی ہیں، چنانچہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کام کی تحریم ثابت ہوتی ہے، لیکن شروط کے فوت ہونے یا موانع کے موجود ہونے کی بنا پر مذکورہ احکام منتفی ہو جاتے ہیں، یا کبھی ایسی صورت ہوتی ہے کہ ایک شخص کے حق میں خود وہ تحریم ہی منتفی ہوتی ہے، باوجودیکہ دوسرے کے حق میں ثابت ہے۔

ہم نے یہ گفتگو تکرار کے ساتھ اس لئے کیا ہے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کے دو قول ہیں، ایک قول عام سلف اور فقہاء کا ہے، جو یہ ہے کہ اللہ کا حکم ایک ہے، اور جس نے جائز اجتہاد سے اس کے خلاف بات کہی ہے، تو اس غلطی کے واقع ہونے پر وہ معذور ہے، یا ایک اجر کے ساتھ ماجور ہے، اس صورت حال میں تاویل کرنے والا عالم بعینہ اس فعل کو بجالایا ہے تو یہ فعل حرام ہے، لیکن تحریم کا اثر اس پر مترتب نہیں ہوتا ہے، کیونکہ اس طرح کی خطا اللہ نے معاف کر دیا ہے، اس کا فرمان ہے: ﴿لا يكلف الله نفساً الا وسعها﴾ (۳۹) (اللہ تعالی کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے)

دوسرا قول یہ ہے کہ اس مجتہد کے حق میں یہ کام حرام نہیں ہے، کیونکہ تحریم کی دلیل اس تک نہیں پہنچی ہے، پس اس کا نفس فعل حرام نہیں ہوگا، یہ اختلاف اقوال قریب قریب لفظی اختلاف کے مشابہ ہے، اسی طرح کی بات احادیث وعید کے بارے میں محل اختلاف پائے جانے کے وقت بھی کہی جا سکتی ہے، کیونکہ جس فعل پر وعید بیان کی گئی ہے، اس کی حرمت کے بارے میں احادیث واردہ سے استدلال پر اہل علم کا اجماع ہے، خواہ محل اتفاق ہو یا محل اختلاف، بلکہ اختلافی جگہوں میں ان احادیث سے اکثر استدلال کیا جاتا ہے، لیکن جس وقت یہ احادیث قطعی نہ ہوں تو ان سے وعید پر استدلال کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

سوال:

(۳۹) البقرۃ:۲۸۶۔

اگر لوگ اعتراض کریں کہ تم نے یہ کیوں نہیں کہا کہ احادیث وعید اختلافی مواقع کو شامل نہیں ہیں، بلکہ اتفاقی محل کو شامل ہیں، اور جس فعل پر اس کے فاعل کو ملعون کہا گیا ہے یا اس کو اللہ کے غضب یا عقاب کی دھمکی دی گئی ہے، اس مضمون کی احادیث ایسے فعل پر محمول ہوں گی جس کی تحریم پر لوگوں کا اتفاق ہے، تا کہ جو مجتہدین اس فعل کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہیں، اس وعید میں داخل نہ ہوں، جب کہ معتقد فاعل سے زیادہ اس کا حق دار ہے، کیونکہ فاعل کو حکم دینے والا وہی معتقد ہے، پس معتقد کو لعنت یا غضب کی وعید بطور استلزام لاحق ہوئی۔

جواب:

اس کا جواب کئی طریقوں اور وجہوں سے ہے، ایک یہ کہ محل اختلاف میں نفس تحریم ثابت ہے، یا ثابت نہیں ہے، پس اگر کہیں پر محل اختلاف میں تحریم ثابت نہیں ہے، تو لازم آئے گا کہ وہ حرام نہ ہو، سوائے اس فعل کے جس کی تحریم پر علماء نے اجماع کیا ہے، اور جس فعل کی تحریم میں اختلاف ہے وہ حلال ہو، اور یہ اجماع امت کے مخالف اور دین اسلام سے بالضرورۃ معلوم البطلان ہے۔

اگر محل اختلاف میں تحریم ثابت ہے، چاہے ایک ہی صورت میں ہو، تو سوال ہے کہ مجتہدین میں سے اس فعل حرام کو حلال قرار دینے والے کے لئے محللیت اور فاعلیت کی مذمت وعقوبت لاحق ہوگی یا نہیں؟ اگر کہا جائے کہ لاحق ہوگی، یا یہ کہا جائے کہ لاحق نہیں ہوگی، ہر حال میں یہ تحریم بالاتفاق حدیث وعید میں ثابت ہے، اور وعید محل اختلاف میں ثابت ہے، جیسا کہ ہم نے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ وعید حرام فعل کرنے والے پر آئی ہے، اور حرام کو حلال کرنے والے کی عقوبت اس کے فاعل کی عقوبت سے زیادہ بڑی اس وقت ہے جب وہ اس کا اعتقاد نہ رکھتا ہو، اور جب یہ بات جائز ہوگئی کہ اختلافی صورت میں تحریم فعل ثابت ہوگی، اور اس کے حلال کرنے والے مجتہد کو اس حرام کے حلال کرنے کی عقوبت لاحق نہیں ہوگی، کیونکہ وہ اس میں معذور ہے، تو فاعل کو اس فعل کی وعید بدرجہ اولی لاحق نہیں ہوگی، اور جس

طرح اس تحریم کے حکم یعنی مذمت وعقوبت کے تحت مجتہد کا داخل ہونا لازم نہیں آیا، اسی طرح وعید کے حکم کے تحت اس کا دخول لازم نہیں آتا ہے، کیونکہ وعید، مذمت اور عقوبت کی ایک قسم ہی تو ہے، پس اگر اس جنس کے تحت مجتہد کا داخل ہونا جائز ہوتو جو جواب اس کی بعض انواع کا ہے وہی بعض دوسری کا بھی ہے، اور مذمومیت کی قلت وکثرت یا عقوبت کی شدت وخفت کا فرق کوئی معنی نہیں رکھتا ہے، کیونکہ اس مقام پر قلیل مذمت وعقوبت میں معذور شخص کثیر میں معذور کی طرح ہے، اس لئے کہ مجتہد کو نہ قلیل وعید لاحق ہوتی ہے نہ کثیر، بلکہ جو چیز اس کے حال کو لاحق ہوتی ہے وہ اس معنی کے ضد ہے جسے اجر وثواب کہا جاتا ہے۔

دوسرا جواب:

یہ ہے کہ حکم فعل اجماعی ہوگا، یا فعل کی صفات اور امور خارجہ کی بنا پر اس میں اختلاف ہوگا، یہ امور عدم علم کے عارض ہونے اور لفظ کے عام ہونے کے اعتبار سے اضافی ہیں، اس طور پر کہ لفظ عام سے مراد بعض اہل علم کے ساتھ خاص ہو، پس تخصیص پر دلالت کرنے والی دلیل کا مقرر ہونا ضروری ہے، چاہے یہ دلیل خطاب کو متضمن ہو، جیسا کہ بعض لوگوں کے نزدیک تاخیر بیان جائز نہیں ہے، اور چاہے خطاب پر مشتمل نہ ہو، جیسا کہ جمہور کے نزدیک وقت ضرورت تک تاخیر بیان کی گنجائش ہے (بہر حال تخصیص کی دلیل ہونا ضروری ہے۔)

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عام کے ساتھ مخاطب لوگ حکم خطاب کی معرفت کے محتاج تھے، پس آکل ربا اور محلل وغیرہ کی لعنت کے بارے میں لفظ عام سے مراد اس فعل کی اجماعی طور پر تحریم ہے، اور یہ اجماع نبی ﷺ کی وفات کے بعد ہی معلوم ہوسکتا ہے، نیز امت نے اجماع کے تمام افراد کے بارے میں کلام کیا ہے، تو اس صورت میں لازم آیا کہ آں حضرت ﷺ نے اپنے کلام کا بیان اس وقت تک کے لئے مؤخر فرمایا جب تمام امت اس کے تمام افراد کے بارے میں کلام کرے اور یہ جائز نہیں ہے۔

تیسرا جواب:

اس کلام کے ساتھ امت کو اس لئے خطاب کیا گیا ہے، تا کہ امت حرام کو پہچان کر اس سے اجتناب کرے، اور اپنے اجماع میں اسی اجماع سے استناد کرے، اور اپنے باہمی نزاع میں اسی سے استدلال کرے، پس اگر لفظ عام سے مراد کی صورت ایسی چیز ہو جس پر صرف لوگوں کا اجماع ہے، تو چاہئے کہ معنی مراد کا علم اجماع پر موقوف ہو، اور اجماع سے پہلے اس سے استدلال صحیح نہ ہو، پس وہ معنی مراد اجماع کی طرف مستند نہیں ہوگا (پھر بلا دلیل رہ جائے گا) کیونکہ مستند اجماع کے لئے ضروری ہے کہ اس پر متقدم ہو، اور اس سے متاخر ہونا ممتنع ہوگا، کیونکہ یہ دور باطل کا باعث ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں حدیث سے اہل اجماع کو استدلال کرنے کی کوئی صورت ممکن نہیں ہوگی، جب تک کہ اہل اجماع یہ معلوم نہ کرلیں کہ یہی صورت مراد ہے، اور صورت مراد اس وقت تک معلوم نہیں ہوتی ہے جب تک کہ اجماع نہ کریں، پس استدلال اس اجماع پر موقوف ہوگا جو اس سے قبل رہا ہو، اور اجماع اس استدلال پر موقوف ہوگا جو اس کے پہلے سے موجود ہے، ایسا اس وقت ہوگا جب ان کی دلیل حدیث ہو، اسی طرح لازم آئے گا کہ ایک چیز موقوف علی نفسہ پر موقوف ہو، جب کہ اس کا وجود ممتنع ہے، اس لئے یہ صورت محل اختلاف میں حجت نہیں ہوگی، کیونکہ ایسا کہیں ہوا نہیں ہے، یہ محل اتفاق اور اختلاف دونوں میں حدیث کو حکم پر دلالت سے معطل کرنے کے مترادف ہے، اور اس بات کو مستلزم ہے کہ نصوص میں سے کوئی چیز جس میں کسی کام پر تغلیظ وتشدید کا ذکر ہے وہ اس کام کی تحریم کا فائدہ نہ دے، اور یہ قطعی طور پر باطل ہے۔

چوتھا جواب:

یہ معنی اس بات کو مستلزم ہے کہ احادیث میں سے کسی چیز سے استدلال نہ کیا جائے، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اس صورت معنی پر امت نے اجماع کیا ہے، اس وقت صدر اول کے لئے ان احادیث سے استدلال جائز نہیں ہوگا، بلکہ ہر اس شخص کو بھی جس نے خود زبان رسالت سے اس کو سنا ہے، ان سے استدلال کرنا جائز نہیں ہوگا، اور اس طرح کی

حدیث سننے والے پر واجب ہے کہ ان پر عمل نہ کرے، اگر چہ بہت سے علماء کو ان پر عامل پایا ہو، اور ان کے مخالف کا علم اسے نہ ہو سکے، جب تک کہ یہ چھان بین نہ کرے کہ اطراف عالم میں کوئی ایسا شخص ہے جس نے ان کے خلاف عمل کیا ہے، جس طرح کہ اس مسئلے میں اجماع سے استدلال جائز نہیں ہے جب تک کہ پوری بحث وتحقیق نہ ہو جائے۔

اس طریقۂ استدلال کا انجام یہ ہوگا کہ محض ایک مجتہد کے اختلاف کی بنا پر حدیث رسول ﷺ سے استدلال کا کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا، اور ایک شخص کا قول رسول اللہ ﷺ کے قول کا مبطل ہوگا، حالانکہ اس کی موافقت رسول اللہ ﷺ کے قول سے ثابت شدہ ہے، یہ کیسا المیہ ہے کہ جب ایک مجتہد غلطی کرے تو اس کی یہ غلطی رسول اللہ ﷺ کے کلام کے لئے مبطل بن جائے، ظاہر ہے کہ یہ سب بالضرورۃ باطل ہے۔

اگر یہ لوگ کہیں کہ حدیث سے استدلال علم اجماع کے بعد ہی ہے، تو اس کا مطلب ہوا کہ نصوص کی دلالت اجماع پر موقوف ہوگی، اور یہ خود اجماع کے خلاف ہے، اور اس صورت میں نصوص کی کوئی دلالت باقی نہیں رہتی ہے، کیونکہ معتبر دلیل اجماع ہے، پس نص عدیم التاثیر ہوگی، اور اگر یہ کہیں کہ حدیث سے استدلال تو ہوتا ہی ہے، سوائے اس وقت کے جب اختلاف کا وجود معلوم ہو جائے، پس یہاں بھی امت کے ایک فرد کا قول دلالت نص کا مبطل ٹھہرے گا، اور یہ بھی خلاف اجماع ہے، اور اس کا بطلان دین اسلام سے بالاضطرار معلوم ہے۔

پانچواں جواب:

عموم خطاب میں تحریم کے لئے تمام امت کا اعتقاد شرط ہے، یا اس کے علماء کا اعتقاد کافی ہے، اگر پہلی صورت ہے تو تحریم پر احادیث وعید سے استدلال جائز نہیں ہے، تاوقتیکہ ہم یہ معلوم کریں کہ تمام امت یہاں تک کہ دور دراز علاقوں میں نشوونما پانے والے اور زمانۂ قریب کے نئے نئے مسلمان اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ فعل حرام ہے، ایسی بات کوئی عاقل مسلمان نہیں کہہ سکتا، کیونکہ اس شرط کا علم ہونا بہت دشوار ہے۔

اگر علماء کا اعتقاد کافی ہونے کی بات کہی جائے تو کہا جائے گا کہ تم نے علماء کے اجماع کی شرط بعض مجتہدین کو ان کے مخطی ہونے کے باوجود وعید کی شمولیت سے بچانے کے لئے مقرر کی ہے، یہ بات بعینہ اس عام شخص میں بھی موجود ہے جس نے تحریم فعل کی دلیل نہیں سنی ہے، کیونکہ شمول لعنت سے بچایا گیا مجتہد اور یہ عامی آدمی ایک جیسے ہیں، (یعنی عالم اور غیر عالم دونوں پر ایک حکم ہونا چاہئے)

اس التزام سے لازم نہیں آتا ہے کہ دونوں میں فرق کے لئے کہا جائے کہ پہلا فعل اکابر امت اور فضلاء صدیقین سے واقع ہوا ہے، اور دوسرا امت کے ادنی شخص کی طرف سے ہے، یہ کہنا درست نہیں ہے، کیونکہ ان دونوں میں اس طریقہ کا فرق اس حکم میں ان دونوں کے اشتراک سے مانع نہیں ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جس طرح مجتہد کو اس سے خطا واقع ہونے پر بخش دیتا ہے، اسی طرح جاہل کو بھی قصور سرزد ہونے پر معاف کر دیتا ہے، جب کہ اس کو علم سیکھنا ممکن نہ ہوا۔

مفسدہ عام مفسدہ خاص سے کمتر ہے

واضح رہے کہ عام آدمی کا ایسے حرام کام میں ملوث ہونا جس کی حرمت سے وہ ناواقف ہے، اور اس سے واقفیت اس کے لئے ممکن نہیں ہے، اس کا مفسدہ اس مفسدہ سے بہت کم تر ہے جو بعض ائمہ کے شارع کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنے سے پیدا ہوتا ہے، کیونکہ وہ امام اس شئی کی تحریم کا جان کار ہے، اور اس کی تحریم ممکن نہیں ہوئی، اسی لئے لوگوں کا قول ہے کہ عالم کی لغزش سے بچو، کیونکہ جب وہ پھسلتا ہے تو ایک جہان پھسل جاتا ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: "ویل للعالم من الاتباع" اور جب عالم کی یہ خطا معاف ہے، حالانکہ اس کے فعل سے پیدا ہونے والا مفسدہ بہت بڑا ہے، تو دوسرے کی خطا بدرجہ اولی معاف ہے، کیونکہ اس کے فعل کا مفسدہ کم تر اور خفیف ہے۔

ان دونوں میں فرق کی وجہ دوسری ہے، جو یہ ہے کہ مجتہد نے اجتہاد کیا، اور اپنے اجتہاد سے ایک بات کہی، دوسرے یہ کہ اس کے پاس علم کی اشاعت اور احیاء سنت کی کچھ پونجی

ہے، جس میں وہ مفسدہ گھل مل جاتا ہے، اللہ تعالی نے اسی وجہ سے دونوں کے درمیان فرق فرمایا، مجتہد کو اس کے اجتہاد پر اور عالم کو اس کے علم پر ثواب بخشا، اور یہ جاہل اس میں اس کا شریک وساجھی نہیں ہے، پس یہ جاہل اور یہ مجتہد دونوں عفو ودرگذر میں شریک ہیں، اور ثواب میں جدا ہیں، البتہ عقوبت چاہے بڑی ہو یا معمولی، اس کا غیر مستحق پر واقع ہونا ممتنع ہے، اس لئے عقوبت ولعنت کی حدیث سے اس ممتنع کو ایسے طریقہ سے خارج کرنا ضروری ہے جو دونوں قسموں کو شامل ہو۔

چھٹواں جواب:

اختلاف کی صورت میں وعید کی بعض احادیث نص ہیں، جیسے محلل لہ کی لعنت، بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ شخص (محلل لہ) کسی حال میں گنہگار نہیں ہے، اس لئے کہ پہلے عقد میں وہ تحلیل کسی صورت میں کوئی رکن نہیں تھی، جس کی بنا پر کہا جا سکے کہ تحلیل کی شرط پوری کرنے کے وجوب کا اعتقاد رکھنے سے وہ ملعون ہوا، پس جس نے اعتقاد کیا کہ نکاح اول صحیح ہے، اگر چہ شرط باطل ہے، اور عورت دوسرے کے لئے حلال ہے، تو اس نے دوسرے کو گناہ سے الگ کر دیا، بلکہ پہلے کو بھی بری کر دیا، کیونکہ اس کے ملعون ہونے کی دو وجہوں میں سے ایک ہو سکتی ہے، ایک تحلیل، دوسرے عقد میں شامل شرط کے وجوب وفا کا صرف اعتقاد، یا دونوں ہی صورتیں ہوں، اگر اول ثانی کے ساتھ ہے تو غرض حاصل ہوگئی، اور اگر دوسری صورت ہے تو یہی اعتقاد باعث لعنت ہے، خواہ تحلیل حاصل ہو یا نہ ہو، اس وقت حدیث میں مذکورہ چیزیں لعنت کا سبب نہیں ہوئیں، اور وہ شخص لعنت کے سبب سے تعرض کرنے والا نہیں ہوا، اور یہ باطل ہے۔

اس پر دوسرا کلام یہ ہے کہ وفاء شرط کے وجوب کا معتقد اگر جاہل ہے تو خود ہی اس پر لعنت نہیں ہے، اور اگر اس کے عدم وجوب کا عالم ہے تو اس کا معتقد وجوب ہونا محال ہوگا، مگر جو شخص رسول اللہ ﷺ کے حکم کا مکذب ومنکر ہو جائے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور حدیث کا معنی لعنت کفار کی طرف راجع ہوگا، اور کفر کو اس جزئی حکم کے انکار کے ساتھ کوئی اختصاص

نہیں ہے کہ اسی کے ساتھ کفر مختص ہو، اور دوسرے کے ساتھ نہ ہو، اور یہ بمنزلہ ایسے شخص کے ہے جو کہتا ہے: "لعن الله من كذب الرسول في حكمه بأن شرط الطلاق باطل في النكاح" (اللہ تعالی نے اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جس نے رسول کے اس حکم کی تکذیب کی کہ نکاح میں طلاق کی شرط باطل ہے)

مزید یہ کہ یہ کلام لفظی ومعنوی عموم کے ساتھ عام ہے، وهو عموم مبتدئ، اس عموم کو نادر صورتوں پر محمول کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ کلام مذکور پھر لوٹ آتا ہے، جیسے آں حضرت ﷺ کے قول: "أيما امرأة نكحت نفسها من غير اذن وليها" الحديث۔ (۴۰) کی تاویل کرنے والے نے مکاتبہ سے تاویل کیا ہے۔

اس کے شاذ ونادر ہونے کا بیان یہ ہے کہ جاہل مسلمان حدیث میں داخل نہیں ہے، اور جو مسلمان وفاء شرط کے عدم وجوب کا عالم ہے وہ وفاء شرط کے واجب ہونے کے اعتقاد کی شرط نہیں کرتا ہے، مگر وہ شخص جو کافر ہو گیا ہو، اور کافر اسلامی نکاح نہیں کرتا ہے، البتہ منافق کرتا ہے، اس طریقہ پر اس جیسے نکاح کا وقوع انتہائی نادرات میں سے ہے، اگر کوئی کہے کہ اس جیسی نادر صورت متکلم کے دل میں گذرنا بہت مشکل ہے، تو میں کہوں گا کہ قائل صادق ہے، اس کے دلائل کثیرہ دوسرے مقام میں ہم ذکر کر چکے ہیں، یہ حدیث محلل کے قصد ونیت کو بھی شامل ہے، اگر چہ اس نے تحلیل کی شرط نہ کی ہو۔

اسی طرح لعنت اور عقوبت نار وغیرہ کی خالص وعید متعدد مقامات میں منصوص طور پر آئی ہے، پھر بھی بعض لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، جیسے ابن عباس کی مرفوع حدیث:

"لعن الله زائرات القبور والمتخذين عليها المساجد والسرج" (۴۱)

(اللہ تعالی نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں اور ان پر مساجد بنانے اور چراغ جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے) ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے، بعض لوگوں نے

(۴۰) ابوداود، النکاح:۲۰۸۳، ترمذی النکاح:۱۱۰۸، صحیح۔

(۴۱) ابوداود، جنائز:۳۲۳۶، أوله في الترمذي الجنائز:۱۰۶۱، ابن ماجہ جنائز:۱/۱۵۰۲ اسنادہ ضعیف۔

عورتوں کے لئے زیارت قبور کی رخصت دی ہے، اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ مکروہ ہے، حرام نہیں ہے۔

عقبہ بن عامر کی حدیث ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

"لعن الله الذين يأتون النساء في محاشهن" (۴۲) (اللہ تعالی نے ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کی دبر میں جماع کرتے ہیں)

حضرت انس کی مرفوع حدیث میں ہے: "الجالب مرزوق والمحتكر ملعون" (۴۳) (مال تجارت کورواں دواں رکھنے والا خوش نصیب ہے، اور مہنگا بیچنے کے لئے اس کو روک رکھنے والا ملعون ہے)۔

ان دونوں حدیثوں میں لعنت کی وعید مذکور ہے، اور حدیث "لا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم" الحديث۔ پہلے گذر چکی ہے، اس میں اپنی ضرورت سے زائد پانی کو روکنے والے کا بھی ذکر ہے، ایک حدیث میں شراب بیچنے والے پر لعنت کی گئی ہے، حالانکہ بعض متقدمین نے اس کو فروخت کیا ہے۔ (۴۴)

متعدد طرق سے مرفوعا مروی ہے کہ:

"من جر ازاره خيلاء لم ينظر الله اليه يوم القيامة" (۴۵) (جو شخص تکبر سے اپنا ازار نیچے لٹکائے گا اللہ تعالی قیامت کے روز اس کی طرف نہیں دیکھے گا)۔

دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ثلاثة لا يكلمهم الله ولا ينظر اليهم يوم القيامة ولا يزكيهم ولهم عذاب أليم، المسبل والمنان والمنفق سلعته بالحلف الكاذب" (۴۶) (اللہ تعالی قیامت کے روز تین لوگوں سے کلام نہیں کرے گا، نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا،

---

(۴۲) طبرانی فی الاوسط، مجمع الزوائد للہیثمی ۴/۳۰۲۔ (۴۳) ابن ماجہ تجارات: ۵۳۲۱، اسنادہ ضعیف۔

(۴۴) ان دونوں حدیثوں کی تخریج و تفصیل حاشیہ نمبر ۲۷، و۳۴ میں گذر چکی ہے۔

(۴۵) بخاری، لباس: ۵۷۸۴، مسلم لباس: ۲۰۸۵۔

(۴۶) مسلم ایمان: ۱۰۶، ابوداود لباس: ۴۰۴۷، نسائی زکاۃ: ۵/۸۱۔

اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ آدمی جو اپنا ازار یا لباس ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہے، دوسرا وہ آدمی جو دے کر احسان جتاتا ہے، تیسرا وہ جو جھوٹی قسم کھا کر مال تجارت کو فروغ دیتا ہے)۔

ان حدیثوں میں وعید منصوص ہے، اس کے باوجود علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ تکبر کی وجہ سے لباس نیچے لٹکانا مکروہ ہے، حرام کے درجہ میں نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "لعن الله الواصلة والموصولة" (۴۷) یہ اصح احادیث میں سے ہے، اس کے باوصف وصل شعر (اپنے بال میں دوسرے کا بال ملانے) کے بارے میں علماء کا اختلاف معروف ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "ان الذی یشرب فی آنیة الفضة انما یجرجر فی بطنه نار جهنم" (۴۸) اس کے برخلاف بعض علماء چاندی کے برتن میں کھانا پینا حرام نہیں سمجھتے ہیں۔

ساتواں جواب:

کلام میں واجب عموم اپنی جگہ پر قائم ہے، اور اس کے معارض مذکور میں تعارض کی صلاحیت نہیں ہے، کیونکہ زیادہ سے زیادہ عذر کے طور پر یہی کہا جائے گا کہ اتفاقی اور اختلافی دونوں صورتوں پر اس کو محمول کرنا بعض غیر مستحق لعنت کے دخول کو مستلزم ہے، اس پر کہا جائے گا کہ جب تخصیص خلاف اصل ہے تو تکثیر بھی خلاف اصل ہوگی، اور جو شخص جہالت یا اجتہاد یا تقلید کی وجہ سے معذور ہے، وہ اس عموم سے مستثنیٰ ہے، نیز جس طرح حکم اتفاقی صورتوں کو شامل ہے اسی طرح غیر معذوروں کو بھی شامل ہے، کیونکہ یہ بہت معمولی سی تخصیص ہے، اس لئے زیادہ اولیٰ یہی صورت ہوگی۔

آٹھواں جواب:

یہ ہے کہ جب لفظ کو اس معنی پر حمل کریں گے تو سبب لعنت کے ذکر کو متضمن ہوگا، اور مانع کی بنا پر مستثنیٰ سے حکم پیچھے رہے گا، اس بات میں شک نہیں ہے کہ جس نے وعد یا وعید کیا

---

(۴۷)، (۴۸) یہ دونوں حدیثیں نمبر ۳۱، ۳۲ میں مع ترجمہ و تخریج گذر چکی ہیں۔

اس پر لازم نہیں ہے کہ جس شخص کے حق میں وعد یا وعید متخلف ہوگئی ہے اس کو معارض کی بنا پر مستثنیٰ کرے، پس درست طریقہ پر کلام جاری رہے گا، مگر جس وقت لعنت کو ایسے فعل کی طرف منسوب کریں جس کی حرمت پر اجماع ہے، یا لعنت کا سبب وہی مخالف اجماع اعتقاد ہو، اور اس لعنت کا سبب حدیث میں مذکور نہ ہو، پھر بھی اس عموم کی تخصیص کے بغیر چارہ نہیں ہے، اور جب تخصیص ہر دو صورت میں ضروری ہوئی تو اس کا التزام اول پر زیادہ اولی ہے، جیسا کہ طرز کلام کی موافقت اور اس کے اضمار سے خالی ہونے سے ظاہر ہے۔

نواں جواب:

اس معنی کا موجب یہی لعنت کے شامل ہونے کی نفی ہے، خاص کر معذور کے لئے، یہ بیان گذر چکا ہے کہ احادیث وعید سے مقصود اس معنی کو بیان کرنا ہے کہ وہ فعل اس عقوبت کا سبب ہے، پس مطلب اس طرح ہوگا کہ یہ فعل لعنت کا سبب ہے۔

اگر کہا جائے کہ اگرچہ اس معنی سے ہر شخص کے حق میں حکم کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا ہے، لیکن سبب لازم آتا ہے، اور جب حکم قیام سبب کے تابع نہیں ہوگا تو کوئی قباحت نہیں ہے، گذشتہ بحث میں ہم تسلیم کر چکے ہیں کہ مجتہد کی حالت کو مذمت لاحق نہیں ہوتی ہے، پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ حرام کو حلال کرنے والا اس کے کرنے والے سے بڑا گنہگار ہے، اس کے باوجود معذور معذور ہے۔

اگر سوال کیا جائے کہ معاقب (سزا دیا جانے والا) کون ہے؟ کیونکہ حرام کا فاعل یا مجتہد ہے یا اس کا مقلد، اور دونوں ہی عقوبت سے خارج ہیں، ہم کہیں گے کہ اس کا جواب کئی طریقوں سے ہے، ایک یہ کہ یہاں پر مقصود اس امر کو بیان کرنا ہے کہ یہ فعل اس عقوبت کا مقتضی ہے، خواہ اس کا فاعل پایا جائے، یا نہ پایا جائے، اور جب ہم فرض کریں کہ اس کا فاعل نہیں ہے، جب کہ عقوبت کی شرط اس میں منتفی ہے، یا کوئی مانع اس کے ساتھ قائم ہے، پس یہ معنی اس فعل کے حرام ہونے میں قادح نہیں ہوگا، بلکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ فعل حرام ہے، اور جس پر اس کی حرمت واضح ہو جائے وہ اس سے پرہیز کرے، اور اس کے فاعل کے

لئے اللہ کی طرف سے عذر قائم ہو جائے، اس کی مثال ایسی ہے کہ صغائر حرام ہیں، لیکن کبائر سے اجتناب کی صورت میں وہ معاف ہو جاتے ہیں، یہی حال ان تمام محرمات کا ہے جن کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے، ان کے حرام ہونے کا بیان ہوتا رہتا ہے، لیکن ان کے فاعل کو اجتہاد یا تقلید کے حوالے سے معذور رکھا جاتا ہے، اور یہ حال اس کی حرمت کے اعتقاد سے ہم کو مانع نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ حکم کا بیان کرنا عقاب کے لاحق ہونے سے مانع شبہہ کے زوال کا سبب نہیں ہے، کیونکہ اعتقاد کا عذر حاصل ہے، اور مقصود شبہہ مانعہ کی بقا نہیں ہے، بلکہ حسب امکان اس کا زوال مطلوب ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو علم کا حصول واجب نہ ہوتا، اور لوگوں کو ان کی جہالت پر چھوڑ دینا بہتر ہوتا، اسی طرح مشتبہ مسائل کے دلائل ترک کر دینا ان کے بیان کرنے سے اولیٰ ہوتا۔

تیسرے یہ کہ حکم اور وعید کا بیان اس لئے ضروری ہے کہ یہ حرام سے اجتناب کرنے والے کے لئے اجتناب پر ثابت وقائم رکھنے کا سبب ہے، اگر ایسا نہ ہوتو حکم پر عمل انتشار کا شکار ہو جائے گا۔

چوتھے یہ کہ جہالت وغیرہ کا عذر اسی حالت میں عذر ہوسکتا ہے جب اس کے ازالہ پر قدرت نہ ہو، ورنہ انسان جس وقت معرفت حق پر قادر ہو جائے اور اس میں کوتاہی کرے تو معذور نہیں ہے۔

پانچویں یہ کہ لوگوں میں کوئی ایسا شخص ہو جو وعید کا کام کرتا ہے، اور خود ایسا مجتہد نہیں ہے جس کا اجتہاد اس فعل کو مباح قرار دیتا ہے، یا مباح کرتے والے کا مقلد نہیں ہے، تو اس قسم میں اس مانع خاص کے بغیر وعید کا سبب قائم ہوگا، اور اس کا فاعل وعید سے ہم کنار ہے، اور وعید اس کو لاحق ہے، سوائے اس کے کہ کوئی دوسرا مانع ہو، جیسے توبہ، استغفار یا حسنات جو اس گناہ کا کفارہ ہو جائیں، وغیر ذلک۔

پھر یہاں پر ایک کام پریشانی والا ہے، کبھی انسان اپنی تقلید یا اجتہاد کو اس فعل کا مباح

کرنے والا گمان کرتا ہے، اور اس میں کبھی وہ صواب تک پہنچ جاتا ہے، اور کبھی خطا کر جاتا ہے، بشرطیکہ وہ حق کی پوری جستجو کرے اور خواہش نفس کی پیروی اس کو تحقیق حق سے روکنے والی نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا ہے۔

دسواں جواب:

ان احادیث وعید کا اپنے مقتضیات پر باقی رہنا بعض مجتہدین کے وعید کے تحت داخل ہونے کو مستلزم ہے، اگر چہ دونوں تقدیروں پر لازم آئے، یعنی معارض سے سالم حدیث پر عمل کرنا واجب ہوگا۔

اس کا بیان یہ ہے کہ بہت سے ائمہ نے تصریح کیا ہے کہ مختلف فیہ صورت کا فاعل ملعون ہے، ان میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں، ان سے لوگوں نے ایسے شخص کے بارے میں دریافت کیا جس نے ایک عورت کو اپنی گرفت میں لیا، تا کہ اس کو حلال بنائے، عورت اور اس کا شوہر اس ماجرا کو سمجھ نہیں پائے، جواب میں ابن عمر نے کہا یہ زنا کاری ہے، نکاح نہیں ہے: "لعن الله المحلل و المحلل له" یہ واقعہ اور مسئلہ ان سے کئی طریقوں سے محفوظ ہے، ان کے علاوہ دوسروں سے بھی محفوظ و منقول ہے، جن میں امام احمد بن حنبل بھی شامل ہیں، کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ جب اس نے حلال کرنے کا ارادہ کیا تو محلل ہوا، اور محلل ملعون ہے، خمر اور ربا وغیرہ کے بارے میں بہت سی اختلافی صورتوں کے سلسلے میں یہی بات ائمہ کی جماعتوں سے منقول ہے۔

پس اگر شرعی لعنت اور دوسری وعیدیں صرف اتفاقی صورتوں کو شامل ہوں، اور اختلافی صورتیں وعید سے خارج ہوں تو لازم آئے گا کہ ان ائمہ نے ایسے شخص پر لعنت کی ہے جس پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے، پس یہ لوگ ایسی وعید کے مستحق ہوں گے جو کئی حدیثوں میں بیان ہوئی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: "لعن المؤمن كقتله" (۴۹) (مومن پر لعنت کرنا اس کو قتل کرنے کے مانند ہے)

(۴۹) بخاری الایمان والنذور: ۶۶۵۲۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (۵۰)(مسلمان کو گالی دینا گمراہی اور اس سے لڑنا کفر ہے)

عن أبى الدرداء أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ان اللعانين لا يكونون يوم القيامة شفعاء ولا شهداء" (۵۱)(ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمارہے تھے کہ بیشک بہت لعن طعن کرنے والے لوگ قیامت کے روز کسی کے لئے شفاعت اور شہادت کے اہل نہیں ہوں گے)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
"لا ينبغي لصديق أن يكون لعانا" (۵۲)(سچے مومن کی شان یہ نہیں ہوتی کہ وہ خوب لعن طعن کرتا رہے)

ابن مسعود سے مرفوعا روایت ہے کہ: "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذى" (۵۳)(لعن طعن کرنا مومن کی خصلت نہیں ہے، اور نہ مومن فحش گو اور بدکلام ہوتا ہے)

دوسرے اثر میں آیا ہے: "من لعن شيئا ليس له بأهل الا رجعت اللعنة عليه" (۵۴)(جو شخص کسی ایسی چیز پر لعنت کرے جو اس کے لائق نہیں ہے تو وہ لعنت اسی پر الٹ پڑے گی)۔

یہ ساری وعیدیں لعنت کے بارے میں آئی ہیں، یہاں تک کہ علماء نے کہا ہے کہ جو شخص ایسی چیز کو لعنت کرتا ہے جو اس کی اہل نہیں ہے تو وہ شخص خود ملعون ہوتا ہے، لعنت کرنا وہ بدترین فعل ہے جسے فسوق کہا جاتا ہے، اور لعنت کرنے والے کو صدیقیت، شفاعت

---

(۵۰) بخاری ایمان، ۴۸، ادب: ۶۰۴۴، مسلم ایمان: ۶۴۔ (۵۱) مسلم آداب: ۲۵۹۸، ابوداود ادب: ۴۹۰۷۔
(۵۲) مسلم آداب: ۲۵۹۷۔ (۵۳) ترمذی البر والصلة: ۲۰۴۳، احمد ۱/ ۴۰۵، ۴۱۶، حسن۔
(۵۴) ابوداود، ادب: ۴۹۰۸، ترمذی البر والصلة: ۲۰۱۶ (۲۰۴۴) صحیح۔

اور شہادت کے مرتبہ سے خارج کر دیتی ہے۔

حدیث مذکور اس شخص کو شامل ہے جو غیر اہل کو لعنت کرتا ہے، پس جب فاعل مختلف فیہ اس نص میں داخل نہیں ہے تو وہ لعنت کا اہل نہیں ہوگا، اور اس کو لعنت کرنے والا اس وعید کا سزاوار نہیں ہوگا، اور جو مجتہد محل اختلاف کو اس حدیث میں داخل خیال کرتے ہیں وہ اس وعید کے مستحق ہوں گے، اور جب محل اختلاف کے خارج کرنے اور باقی رکھنے کی صورتوں میں محذور ثابت ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ محذور نہیں ہے، اور نہ حدیث سے استدلال کرنے میں کوئی مانع ہے۔

اگر کسی ایک صورت میں محذور ثابت نہیں ہے تو خود ہی کوئی محذور لازم نہیں آتا ہے، اور یہ اس لئے کہ جب تلازم ثابت ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ موجود ہونے کی تقدیر پر ان ائمہ کا حدیث میں داخل ہونا عدم کی تقدیر پر ان کے دخول کو مستلزم ہے، پس دو امر میں سے ایک ثابت ہوگا، یا ملزوم اور لازم کا وجود جس کا مطلب ہے تمام لوگوں کا دخول، یا لازم اور ملزوم کا عدم جس کا معنی ہے ان تمام کا عدم دخول، کیونکہ ملزوم کے وجود کے وقت لازم کا وجود لازم ہوگا، اور ملزوم کے عدم کے وقت لازم کا عدم لازم آئے گا، سوال کے ابطال میں اس قدر جواب کافی ہے، لیکن ہم جو اعتقاد رکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ دونوں تقدیر پر ان لوگوں کا عدم دخول امر واقع ہے، جیسا کہ ابھی ثابت ہوا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وعید کے تحت دخول اس بات کے ساتھ مشروط ہے کہ فعل میں عذر موجود نہ ہو، رہا شرعی عذر کی وجہ سے معذور شخص تو اس کو وعید کسی حال میں شامل نہیں ہے، اور مجتہد صرف معذور ہی نہیں بلکہ ماجور بھی ہے، اس لئے اس کے حق میں دخول کی شرط منتفی ہے، پس وعید کے تحت داخل نہیں ہوگا، خواہ حدیث کے ظاہر پر باقی رہنے کا اعتقاد رکھے، یا کسی طرح کا اختلاف ظاہر کرے، بہر حال اس میں معذور رکھا جائے گا، یہ الزامی جواب مسکت ہے، بجز ایک صورت کے اس سے کوئی مفر نہیں ہے۔

وہ ایک صورت یہ ہے کہ سائل کہے میں تسلیم کرتا ہوں کہ علماء مجتہدین میں سے کوئی ایسا

ہے جو نصوص وعید میں محل اختلاف کے دخول کا معتقد ہے، اور اپنے اس اعتقاد کی بنا پر محل اختلاف میں وعید کا خوف دلاتا ہے، مثلاً ایسے شخص پر لعنت کرتا ہے جو وہ کام کرتا ہے، مگر اعتقاد میں وہ ایسی غلطی کا قصوروار ہے جس میں وہ معذور ہے، اور اس پر اجر بھی پاتا ہے، پس اس شخص کی وعید میں داخل نہیں ہوگا جو ناحق لعنت کرنے والا ہے، کیونکہ اس وعید کا اعتقاد ہمارے نزدیک ایسے فعل کی لعنت پر محمول ہے جو بالاتفاق حرام ہے، پس جس نے متفق علیہ حرام پر لعنت کیا، وہ وعید مذکور کو لعنت پر متعرض ہوا۔

اور جب لعنت کا تعلق اختلافی صورتوں سے ہے تو احادیث وعید میں داخل نہیں ہوگی، جس طرح وہ فعل جس کی حلت اور اس کے فاعل کی لعنت میں اختلاف ہے، احادیث وعید میں داخل نہیں ہے، پس جس طرح محل اختلاف وعید اول سے خارج ہوا اسی طرح وعید ثانی سے بھی خارج ہوا، پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ احادیث وعید دونوں جانب میں محل اختلاف کو شامل نہیں ہیں، نہ جواز فعل میں اور نہ اس کے فاعل کی لعنت کے جواز میں خواہ جواز فعل کا اعتقاد رکھیں یا عدم جواز کا، ہم دونوں صورتوں میں اس کے فاعل کی لعنت کو اور اس کے فعل پر لعنت کرنے والے کی لعنت کو جائز نہیں رکھتے ہیں، اور نہ فاعل اور لاعن کو حدیث وعید میں داخل ہونے کی بات کہتے ہیں، نہ ہی لاعن کے لئے سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں، جس طرح کہ کوئی شخص اس کو وعید بلکہ لعنت سے متعرض سمجھتا ہے۔

یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جو مختلف فیہ فعل کو مسائل اجتہاد میں شمار کرتا ہے، اور ہم اس فعل میں اس کی خطا کے معتقد ہیں، جس طرح اس کو مباح قرار دینے والے کی خطا کا اعتقاد رکھتے ہیں، کیونکہ محل اختلاف میں تین اقوال ہیں، ایک قوال جواز کا ہے، دوسرا قول وعید کے لاحق ہونے کی حرمت کا ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ وہ صرف حرام ہے، اور اس سخت وعید سے خالی ہے، ہمارے نزدیک یہی تیسرا قول مختار ہے، کیونکہ فعل کی تحریم اور فاعل کی مختلف فیہ لعنت کی تحریم پر دلیل قائم ہے، ساتھ ہی اس معنی کا اعتقاد ہے کہ فاعل کی وعید اور لاعن کی وعید کے بارے میں وارد حدیث ان دونوں صورتوں کو شامل نہیں ہے۔

سائل کہہ سکتا ہے کہ اگر تم یہ بات جائز سمجھتے ہو کہ اس فاعل کی لعنت مسائل اجتہاد میں سے ہو تو پھر جائز ہے کہ ظاہر نصوص سے اس پر استدلال چلے، کیونکہ اس وقت محل اختلاف کے ارادہ کے ساتھ حدیث وعید سے پناہ نہیں ہے، بلکہ اس کے ارادہ کا مقتضی قائم ہے، پس اس پر عمل واجب ہوگا، اور اگر اس فاعل کی لعنت کو مسائل اجتہاد سے ہونا جائز نہیں سمجھتے تو اس کی لعنت کی تحریم قطعی ہوگی، اور شک نہیں کہ لاعن جس کی تحریم قطعی ہے، اس وعید میں داخل ہے جو لاعن کے حق میں آئی ہے، ہر چند کہ اس کی تاویل کی گئی ہو، جیسے کوئی شخص بعض سلف صالح کو لعنت کرتا ہے، پس ثابت ہوا کہ دور لازم ہے، چاہے لعنت فاعل کی تحریم کو قطعی مختلف فیہ سمجھیں، یا اس میں اختلاف کو جائز کہیں، اور یہ اعتقاد جو ہم نے ذکر کیا ہے دونوں صورتوں میں نصوص وعید سے استدلال کو روکنے والا نہیں ہے، یہ بالکل واضح اور روشن ہے۔

سائل یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس بحث سے ہمارا مقصود محل اختلاف کے لئے وعید شامل ہونے کی تحقیق نہیں ہے، بلکہ محل وعید پر حدیث وعید سے استدلال کی تحقیق مقصود ہے، اور حدیث ہر دو حکم تحریم اور وعید کے لئے مفید ہے، تم نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ صرف اتنے ہی کام کی ہے کہ وعید پر دلالت کی نفی سے تعرض کر رہی ہے، اور اس سے مقصود صرف تحریم پر اس کی دلالت کا بیان ہے، پس جب تم نے التزام کیا کہ لاعن کے بارے میں، وارد احادیث مختلف فیہ کی لعنت کو شامل نہیں ہیں، تو پھر مختلف فیہ کی لعنت کی تحریم پر کوئی دلیل باقی نہیں رہی ، اور مختلف فیہ کی لعنت جس کے ہم درپے ہیں، جب حرام نہیں ہوگی تو جائز ہو جائے گی۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب اس کی تحریم پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے تو اس کی تحریم کا اعتقاد جائز نہیں ہوگا، حالانکہ اس کے جواز کا مقتضی قائم ہے کہ وہ احادیث اس فعل کے فاعل کی لعنت کو شامل ہوں، اور علماء نے اس کی لعنت کے جواز میں اختلاف کیا ہے، اس تقدیر پر اس کی لعنت کی تحریم پر کوئی دلیل موجود نہیں ہے، پس اس کی لعنت کے جواز کی دلیل جو معارض سے سالم ہے اس پر عمل کرنا واجب ہوگا، اور یہ حال سوال کو باطل کر دیتا ہے، کیونکہ سائل پر دوران امر دوسری جہت سے ہے، اور یہ دوسرا دور محض اس لئے پیش آیا ہے

کہ لعنت کو حرام کرنے والی عام نصوص وعید کو متضمن ہیں، پس اگر محل اختلاف پر نصوص سے استدلال جائز نہیں ہوگا تو مختلف فیہ کی لعنت پر بھی ان سے استدلال جائز نہیں ہوگا، جیسا کہ پہلے گذرا۔

اگر لوگ کہیں کہ اس لعنت کی تحریم پر ہم اجماع سے استدلال کرتے ہیں، تو کہا جائے گا کہ اہل فضل میں سے کسی معین فرد کی لعنت کی تحریم پر اجماع منعقد ہوا ہے، رہی لعنت موصوفہ تو تم جان چکے ہو کہ اس میں اختلاف پڑا ہوا ہے، اور یہ بات بھی گذر چکی ہے کہ لعنت موصوفہ اس کے ہر فرد کو لاحق ہونے کے لئے مستلزم نہیں ہے، مگر اس وقت کہ اس کی شرطیں پائی جائیں، اور درمیان سے موانع ختم ہو جائیں، حالانکہ حالت ایسی نہیں ہے۔

سائل کو یہ جواب بھی دے سکتے ہیں کہ ان حدیثوں کو محل خلاف پر محمول کرنے کے منع پر دلالت کرنے والی دلیلیں جن کا بیان پہلے ہوا ہے، یہاں پر بھی وارد ہوئی ہیں، اور یہ دلیلیں اس مقام میں سوال مذکور کو باطل ٹھہراتی ہیں، جس طرح کہ اصل سوال کو باطل کرتی ہیں، اور یہ چیز اس باب سے نہیں ہے کہ دلیل کو دوسری دلیل کے مقدمات میں سے ایک مقدمہ بنائیں، یہاں تک کہ اس طول کلامی کے باوجود یہ کہہ سکیں کہ یہ ایک دلیل زیادہ نہیں ہے، کیونکہ اس بیان سے مقصود مظنون محذور کا بیان ہے، اور وہ دونوں تقدیر پر لازم آتا ہے، پس محذور نہیں ہوگا، بلکہ ایک دلیل ہوگی جو نصوص سے محل اختلاف کے ارادے پر اور اس میں محذور نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور مطلوب پر اس مقدمہ کا دلیل ہونا جس میں دوسرے مطلوب کی دلیل ہو، کوئی معیوب بات نہیں ہے، اگر چہ دونوں مطلوب ایک دوسرے کو لازم ملزوم ہوں۔

گیارھواں جواب:

احادیث وعید جو تحریم کی مقتضی ہیں ان پر عمل واجب ہونے کے بارے میں علماء متفق ہیں، اور بات صرف اتنی ہے کہ بعض علماء نے اخبار آحاد بالخصوص جو وعید کے بارے میں آئی ہیں، ان پر عمل کے بارے میں اختلاف کیا ہے، لیکن تحریم کے بارے میں کوئی لائق

اعتبار وقابل شمار اختلاف نہیں ہے، بعض علماء صحابہ، تابعین اور فقہاء نے ہمیشہ اپنی تحریر وتقریر میں اختلاف کے مواقع پر ان حدیثوں سے استدلال کیا ہے، بلکہ جب حدیث میں وعید مذکور ہو تو یہ وعید اقتضاء تحریم میں بہت بلیغ ہوتی ہے، جیسا کہ لوگوں کے دل اس کو خوب پہچانتے ہیں، اور ان لوگوں کے قول کے راجح ہونے پر تنبیہ گذر چکی ہے، جو وعید کے اعتقاد اور حکم میں اس حدیث پر عمل کرتے ہیں، یہی جمہور کا قول ہے، اس تقدیر پر جماعت کے مخالف سوال لائق قبول نہیں ہوگا۔

بارھواں جواب:

کتاب وسنت سے وعید کی نصوص بہت اور بے شمار ہیں، ان سے واجب وثابت امور کو علی العموم والاطلاق تسلیم کرنا اور ان کا قائل ہونا واجب ہے، اس میں یہ نہیں ہونا چاہئے کہ افراد میں سے ایک فرد کو معین کرکے کہا جائے کہ وہ ملعون یا مغضوب یا مستحق نار ہے، بالخصوص ایسی صورت میں کہ وہ شخص فضائل وحسنات والا ہو، کیونکہ پیغمبروں کے سوا جو شخص بھی ہے اس سے صغائر اور کبائر دونوں کا صدور ہوسکتا ہے، یہ معنی بھی ممکن ہے کہ وہ شخص صدیق یا شہید یا صالح ہو، کیونکہ پہلے یہ گذر چکا ہے کہ گناہ کی سزا مندرجہ ذیل وجوہ سے مؤخر ہوجاتی ہے۔

توبہ واستغفار کرنے سے، یا نیکیوں سے جو گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، یا مصائب سے جو گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں، یا شفاعت مقبولہ سے، یا محض اللہ کی رحمت ومشیت سے گناہ کی سزا موقوف ہوجاتی ہے، کتاب وسنت میں حرام کاموں پر جو وعیدیں مذکور ہیں وہ بہت ہیں، ان میں سے بعض بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ان الذین یأکلون أموال الیتامی ظلما انما یأکلون فی بطونهم نارا وسیصلون سعیرا﴾ (۵۵) (بیشک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں اور جہنم میں جائیں گے)

---

(۵۵) النساء: ۱۰۔

﴿ومن يعص الله ورسوله ويتعد حدوده يدخله نارا خالدا فيها وله عذاب مهين﴾ (٥٦)(اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے، اور اس کی حدوں سے آگے بڑھ جائے تو اللہ اس کو جہنم میں داخل کرے گا، وہ ہمیشہ اس میں رہے گا، اور ذلت کی مار کھائے گا)۔

﴿ولا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل الا أن تكون تجارة عن تراض منكم، ولا تقتلوا أنفسكم، ان الله كان بكم رحيما، ومن يفعل ذلك عدوانا وظلما فسوف نصليه نارا وكان ذلك على الله يسيرا﴾ (٥٧)(مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طور سے مت کھاؤ، مگر تجارت کر کے جو تمہاری آپس کی خوشی سے ہو، اور مت مارو اپنی جان کو، بیشک اللہ تم پر مہربان ہے، اور جو کوئی ظلم و زیادتی سے ایسا کرے تو ہم اس کو آگ میں ڈال دیں گے اور اللہ پر یہ آسان ہے۔)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"لعن الله من شرب الخمر وعق والديه" (٥٨)(اللہ تعالی نے شراب پینے والے اور والدین کی نافرمانی کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے)۔

"لعن الله من غير منار الأرض" (٥٩)(جو شخص زمین کا مینار ہٹادے اس پر اللہ نے لعنت فرمائی ہے۔

"لعن الله السارق" الحديث (٦٠)(اللہ تعالی نے چور پر لعنت فرمائی۔)

"لعن الله آكل الربا وموكله وشاهديه وكاتبه". (٦١)

"لعن الله لاوى الصدقة والمعتدى فيها" (٦٢)(اللہ تعالی نے زکاۃ دینے سے انکار کرنے والے اور اس میں ظلم و زیادتی کرنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔)

(٥٦)النساء:١٤۔ (٥٧)النساء:٢٩،٣٠۔ (٥٨)احمد:١/٢١٧۔

(٥٩)مسلم الاضاحی:١٩٧٨۔ (٦٠)بخاری الحدود:٦٧٨٣، مسلم الحدود:١٦٨٧۔

(٦١)اس حدیث کی تخریج اور ترجمہ حاشیہ نمبر ٢٢ میں ملاحظہ ہو۔

(٦٢)نسائی:٨/١٤٧، احمد١/٤٠٩، آخر الحدیث فی ابی داود زکاۃ:١٥٨٥، بلفظ المعتدی فی الصدقۃ کمانعھا، ابن ماجہ١/٥٧٨، حسن۔

"من أحدث في المدينة حدثا أو من آوى محدثا فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين" (٦٣)

(جس نے مدینہ میں کوئی بدعت نکالی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں کی ، اور تمام لوگوں کی لعنت ہے)۔

"من جر ازاره بطرا لا ينظر الله اليه يوم القيامة" (٦٤) (جو شخص تکبر سے اپنا ازار نیچے گھسیٹے گا اللہ تعالی قیامت کے دن اس کی طرف نظر نہیں فرمائے گا)۔

"لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر" (٦٥) (جس کے دل میں ذرہ برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا)

"من غشنا فليس منا" (٦٦) (ہمارے ساتھ فریب کرنے والا ہماری جماعت سے نہیں ہے)

"من ادعى الى غير أبيه أو تولى غير مواليه فالجنة عليه حرام". (٦٧)

"من حلف على يمين كاذبة ليقتطع بها مال امرء مسلم لقى الله وهو عليه غضبان" (٦٨) (جو شخص کسی مسلمان کا مال ہڑپنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے تو اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اللہ اس پر غضبناک ہوگا)۔

"من اقتطع حق امرء مسلم بيمينه فقد أوجب الله له النار وحرم عليه الجنة". (٦٩) (جو شخص اپنی قسم کے ذریعہ کسی مسلمان کا حق لے گا تو اللہ اس کے لئے جہنم واجب اور جنت حرام کردے گا)۔

"لا يدخل الجنة قاطع رحم" (٧٠) (رشتہ کاٹنے والا جنت میں نہیں جائے گا)

---

(٦٣) بخاری المدینۃ: ١٨٧٠، مسلم الحج: ١٣٧٠۔
(٦٤) بخاری اللباس: ٥٧٨٨، مسلم اللباس: ٢٠٨٧۔
(٦٥) مسلم الایمان: ٩١، ابن ماجہ: ٢/ ١٣٩٧۔
(٦٦) مسلم الایمان: ١٠١، ابوداود البیوع: ٣٤٥٢۔
(٦٧) یہ حدیث مع ترجمہ وتخریج حاشیہ نمبر ٣٦ میں گذر چکی ہے۔
(٦٨) بخاری المساقاۃ: ٢٣٥٧، التوحید: ٧٤٤٦، مسلم ایمان: ١٣٨۔
(٦٩) مسلم ایمان: ١٣٧۔

ان کے علاوہ بھی بہت سی آیات واحادیث وعید ہیں جو اہل علم سے مخفی نہیں ہیں، جب ہم وعید کی ان آیات واحادیث کے قائل ہیں تو جائز نہیں ہے کہ ان افعال کے کرنے والوں میں سے ایک شخص کو معین کر کے کہیں کہ اس کو یہ وعید لاحق ہوگئی، کیونکہ ممکن ہے اس نے توبہ کرلیا ہو، یا عقوبت کو ساقط کرنے والا کوئی سبب پایا جاتا ہو۔

یہ کہنا بھی جائز نہیں ہے کہ یہ کام مسلمانوں کی لعنت یا امت رسول اللہ ﷺ کی لعنت، یا صدیقین یا صالحین کی لعنت کو مستلزم ہے، کیونکہ کہا جاتا ہے کہ صدیق یا صالح شخص سے جب اس قسم کا کوئی کام صادر ہوتا ہے تو ضروری ہے کہ سبب وعید قائم ہوتے ہوئے بھی کوئی مانع ہے جو اس کو وعید لاحق ہونے سے روکتا ہے، پس ان امور کا صدور ایسے شخص سے جو ان کو اجتہاد یا تقلید وغیرہ کی بنا پر مباح گمان کرتا ہے، اس کی غایت یہ ہے کہ صدیقین کی ایک قسم ہوتی ہے جن کو مانع کی بنا پر وعید لاحق ہونا ممتنع ہے، جس طرح کہ توبہ یا حسنات جو کفارہ سیئات ہوتی ہیں، کی بنا پر اس کو وعید لاحق ہونا ممتنع ہے۔

یہ وہ راستے ہیں جن پر چلنا واجب ہے، کیونکہ ان راستوں کے سوا دو خبیث راستے ہیں، ایک اس بات کا قائل ہونا کہ افراد میں سے کسی معین فرد کو وعید لاحق ہوتی ہے، اور اس بات کا دعوی کرنا کہ یہ کام اللہ یا رسول کی نصوص کے بموجب مختار ہے، یہ قول ودعوی خوارج کے قول سے بھی بدتر ہے، جو معاصی کی وجہ سے مسلمان کی تکفیر کرتے ہیں، اور معتزلہ وغیرہ کے قول سے بھی قبیح ہے، اس قول کا فساد بالاضطرار معلوم ہے، اس فساد کی دلیلیں دوسرے مقامات میں معلوم ومشہور ہیں۔

دوسرا خبیث طریقہ اللہ یا رسول کی نصوص کے مقتضی پر عمل اور قول کو ترک کر دینا ہے، اور اس کی توجیہ میں یہ دعوی کرنا کہ نصوص کے موجب کا قائل ہونے پر ان لوگوں کے حق میں طعن لازم آتا ہے، جو ان کے خلاف راہ اختیار کئے ہیں، یہ طریقہ، ضلالت اور اہل کتابین کے ساتھ شمولیت کی طرف لے جاتا ہے، جنہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو

(۷۰) بخاری الادب: ۵۹۸۴، مسلم البر والصلۃ: ۲۵۵۶۔

ارباب بنایا ہے، اور اللہ کو چھوڑ دیا ہے، کیونکہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے:

"لم يعبدوهم ولكن أحلوا لهم الحرام فاتبعوهم وحرموا عليهم الحلال فاتبعوهم" (۷۱) (یعنی اہل کتاب نے اپنے علماء کی پرستش نہیں کیا، لیکن ان علماء نے ان کے لئے حرام کو حلال کیا تو ان کی اتباع کی، اور حلال کو حرام قرار دیا تو اس میں بھی ان کی پیروی کی)

یہ طریقہ اللہ کی معصیت اور مخلوق کی طاعت کی طرف لے جانے والا ہے نیز برے انجام اور اللہ تعالی کے اس قول کے مفہوم کی بری تاویل کرنے کا باعث ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔

﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولي الأمر منكم، فان تنازعتم في شئ فردوه الى الله والرسول ان كنتم تؤمنون بالله واليوم الآخر ذلك خير وأحسن تأويلا﴾ (۷۲) (مسلمانو! اللہ کا حکم مانو اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور حکومت والوں کا جو تم میں سے ہوں، اگر کسی بات میں تمہارا آپس میں جھگڑا ہو جائے تو اس میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو، اگر تم اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان رکھتے ہو، یہی بہتر ہے، اور اس کا انجام بہت اچھا ہے)۔

ایسا بہت ہوتا ہے کہ مسائل میں علماء اختلاف کیا کرتے ہیں، اگر ہر وہ حدیث جس میں تغلیظ وتشدید وارد ہے کوئی مخالف اس کے خلاف کرے تو اس میں وارد تشدید کو ترک یا اس پر عمل مطلقا چھوڑنا پڑے گا، اور اس خطرناک امر سے بہت بڑا خوفناک انجام یعنی کفر اور دین سے خروج کا وصف لازم آئے گا، اگر یہ خطرناک پہلو ماقبل سے زیادہ بڑا نہ ہو تو خود کسی طرح اس سے کم تر نہیں ہے، پس ضروری ہوا کہ مکمل کتاب پر ایمان لائیں اور جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے ان تمام کی اتباع کریں، ایسا نہ کریں کہ بعض کتاب پر ٹھیک سے ایمان لائیں، اور بعض کتاب کے کافر ومنکر ہو جائیں۔

---

(۷۱) تفسیر ابن کثیر ۲/۳۴۸۔ (۷۲) النساء: ۵۹۔

اسی طرح ہمارے دل بعض سنت کی اتباع کے لئے نرم ہو جائیں اور حسب خواہشات وعادات بعض احادیث قبول کرنے سے گریز اور نفرت کریں، کیونکہ یہ روش راہ راست سے خروج اور مغضوب علیہم اور الضالین کی راہ کی طرف رجوع کے ہم معنی ہے، اللہ تعالی ہمیں بخیر وعافیت اپنے محبوب وپسندیدہ قول وعمل کی توفیق بخشے، یہ دعا ہمارے لئے اور تمام مسلمان بھائیوں کے لئے ہے۔

خلاصۂ کلام

یہ سب باتیں رفع الملام عن الائمۃ الأعلام میں مذکور ہیں، اور خلاصہ کلام اس جگہ یہ ہے کہ ائمہ اسلام کے حق میں جاہلوں کی لعن طعن خواہ محدثین کے بارے میں مقلدین کی طرف سے ہو، یا مجتہدین کے بارے میں متبعین کی جانب سے ہو، اس کی دو وجہیں وصورتیں ہیں، ایک ترک تقلید ائمہ، اس ترک کو امام کے حق میں تارک کی بدگمانی کا سبب سمجھتے ہیں، اور اسی کے مثل مقلدین پر غیر مقلدین کا طعن ہے کہ وہ صحیح حدیث پر عمل اس لئے ترک کردیئے کہ وہ ائمہ مجتہدین کے قول کے مخالف ہے، اور اس کو بھی اپنے ائمہ کی طرف منسوب جانتے ہیں، اس بنا پر اپنے مخالفوں کو گالی گلوج سے نوازتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض ایسے افعال کرنے کے بارے میں لعن طعن ہوتی ہے جن پر وعید آئی ہے، اور بعض ائمہ سے ان کا صادر ہونا معلوم ہے۔

پہلے امر کا جواب وہی عذروں ومجبوریوں کے اسباب ہیں جو مذکور ہو چکے ہیں، عذروں کے موجود ہوتے ہوئے کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ بزرگان دین کو طعن وتشنیع کے شکنجہ میں کسے، کیونکہ ان لوگوں نے حدیث پر ترک عمل ہرگز نفسانیت اور جاہلی حمیت وعصبیت کی راہ سے نہیں کیا ہے، جیسا کہ ان کے بعد والے لوگ صحیح عذروں اور جائز سببوں کے وجود کے بغیر کرتے ہیں۔

دوسری وجہ کا جواب یہ ہے کہ ان ائمہ کو وعید لاحق نہیں ہوتی ہے، اس کے وجوہ واسباب اس کتاب میں بالتفصیل پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

بہر حال ملت اسلامیہ کے جملہ اکابران بے خبر جاہلوں اور شوریدہ سر احمقوں کی لعن طعن سے محفوظ ہیں، یہ بزرگان ملت چاہے ائمہ اربعہ مجتہدین ہوں، یا محدثین کا گروہ، یا صالح متصوفین کی جماعت، یا دوسرے متقدمین کا طبقہ ہو۔

ائمہ اربعہ

اکابر ملت جو ہم سے صدیوں پہلے جلوہ گر تھے، اور زمانۂ خیر القرون کا تھوڑا یا زیادہ حصہ پائے تھے ان میں ائمہ اربعہ کو نمایاں مقام حاصل ہے، پھر ان میں امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمہ اللہ اول مجتہد ہیں، دوسرے امام دار الہجرۃ مالک بن انس، تیسرے امام شافعی اور چوتھے امام احمد ہیں، یہ چاروں بزرگوار قرون مشہود لہا بالخیر کے تیسرے قرن میں تھے، کیونکہ امام اعظم کی وفات ۱۵۰ھ میں ہوئی تھی، امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ میں واقع ہوئی تھی، امام شافعی کی ولادت امام اعظم کے سال وفات (۱۵۰ھ) سے متفق ہوئی، اور امام احمد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے (☆)، جیسا کہ علامہ فلانی نے ایقاظ الھمم میں ذکر کیا ہے۔

حدیث عمران بن حصین میں ہے کہ:

"قال رسول الله ﷺ: خير أمتي قرني، ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم" الحديث۔ (۷۳) (میری امت کے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں)

امام اعظم

اس حدیث میں لفظ ''قرنی'' کو اگر حیات نبوت کے زمانے کے ساتھ مخصوص رکھیں، جیسا کہ بعض بڑے علماء کا مسلک ہے، تو صحابہ و تابعین کے دو زمانے باقی رہتے ہیں، (یعنی تابعین تک خیر القرون محدود ہوگا) اور جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ امام اعظم کے

(☆) اصل کتاب میں لکھا ہے: ''وفات امام اعظم در سنہ پنجاہ و شش بودہ، وفات امام مالک در سنہ ہفتاد و نہ، و امام احمد در سنہ شصت و چہار متولد گشتہ'' عبارت میں دو خطا ہوئی ہے، اول یہ کہ تینوں جگہ سنین میں لفظ ''یک صد'' فروگذاشت ہوا ہے، دوسرے یہ کہ امام اعظم کے سن وفات میں پنجاہ کے بعد ''شش'' غلط ہے، یعنی ان کا سن وفات ۱۵۰ ہے، (اصل کتاب ص: ۵۸) مترجم۔

(۷۳) بخاری فضائل: ۳۶۵۰، مسلم فضائل ۲۵۳۵۔

زمانے میں بعض صحابہ موجود تھے، گو ان کو نہ دیکھا ہو، علی اختلاف خبرین فی تعریف التابعی، تو ان کے نزدیک امام صاحب تابعین کی فہرست میں شامل ہوں گے، اور اگر ''قرنی'' سے مراد صحابہ کرام کا قرن وزمانہ ہو تو تبع تابعین بھی اس حدیث میں داخل ہیں، لیکن اول اظہر ہے، اس دوسری صورت میں امام اعظم من جملہ تبع تابعین ہوں گے، یہ بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ مذکورہ خیریت تینوں زمانوں کو شامل ہے، جیسا کہ حدیث شریف سے ظاہر ہے۔

دوسری حدیث جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں نبی ﷺ کے قرن کے بعد تین قرنوں کی تصریح ہے، اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"قال رسول الله ﷺ: أكرموا أصحابي فانهم خياركم ثم الذين يلونهم، ثم الذين يلونهم" الحديث۔ (رواه النسائي، رجاله رجال الصحيح، الا ابراهيم بن الحسن الخثعمي، فانه لم يخرج له الشيخان وهو ثقة ثبت، ذكره الجزري)۔ (۷۴)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب کی تکریم کرو، کیونکہ وہ تم سب سے بہتر لوگ ہیں، پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان سے متصل ہیں، پھر وہ لوگ جو ان سے متصل ہیں)

اس حدیث کو نسائی نے روایت کیا ہے، اس کے رواۃ صحیح ہیں، البتہ اس کے ایک راوی ابراہیم بن حسن خثعمی سے شیخین نے حدیث روایت نہیں کی ہے، حالانکہ وہ ثقہ ثبت راوی ہیں، جزری نے اس کو ذکر کیا ہے۔

بہر حال اس حدیث کی اسناد صحیح ہے، اس حدیث کو جب پہلی حدیث کے ساتھ ملائیں، تو خیریت وافضلیت چار قرنوں کو شامل ہوتی ہے، اور حرف ''ثم'' جو بعدیت زمانی پر دلالت کرتا ہے، نفس خیریت وفضیلت میں قادح نہیں ہے، اس کی مؤید صحیح مسلم میں دوسری

(۷۴) مصنف رحمہ اللہ نے حدیث کا مذکورہ مصدر اور تحقیق مرقاۃ لعلی قاری سے نقل کی ہے، علی قاری نے اخیر میں لکھا ہے: "فالحديث بكماله صحيح أو حسن" شیخ البانی نے اس پر مشکاۃ کی تعلیق میں لکھا ہے: "قلت: هو صحيح لا شك فيه، فقد رواه أحمد أيضا رقم ۱۱۴، ۱۷۷، والحاكم في الايمان من طرق صحيحة، مشكاة ۳ / ۱۶۹۵۔

حدیث الفاظ ذیل کے ساتھ آئی ہے:

"قال: یأتی علی الناس زمان، یبعث منهم البعث فیقولون انظروا هل تجدون فیکم أحدا من أصحاب رسول الله ﷺ؟ فیوجد الرجل فیفتح لهم به، ثم یبعث البعث الثانی فیقولون هل فیهم من رأی أصحاب رسول الله ﷺ؟ فیفتح لهم به، ثم یبعث البعث الثالث، فیقال: انظروا هل ترون فیهم من رأی من رأی أصحاب النبی ﷺ؟ ثم یکون البعث الرابع فیقال: انظروا هل ترون فیهم أحدا رأی من رأی أحدا رأی أصحاب النبی ﷺ؟ فیوجد الرجل فیفتح لهم به"۔ (۷۵)

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ (جہاد کے لئے) ایک لشکر بھیجا جائے گا، لوگ کہیں گے کہ دیکھو کیا رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے کسی کو اپنے اندر پاتے ہو؟ پس ایسا ایک شخص موجود ملے گا اور اس کی برکت سے لوگوں کو فتح حاصل ہوگی، پھر اس کے بعد والے زمانے میں دوسرا لشکر بھیجا جائے گا، لوگ کہیں گے کہ کیا ان میں کوئی ایسا ہے جس نے نبی ﷺ کے اصحاب کو دیکھا ہے؟ پس اس کے خیر وفضل سے لوگ فتح یاب ہوں گے، اس کے بعد تیسرے لشکر کا دور آئے گا، لوگ کہیں گے کہ دیکھو کیا ان میں سے کسی ایسے بزرگ کو پاتے ہو جس نے ان لوگوں کو دیکھا ہے جنہوں نے اصحاب رسول ﷺ کے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے؟ پھر اس کے بعد والے زمانے میں چوتھا لشکر ہوگا، لوگ کہیں کہ دیکھو کیا ان میں کوئی ایسا نظر آرہا ہے جس نے ایسے کسی کو دیکھا ہے جس نے ایسے شخص کو دیکھا ہے جس نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے صحابہ کو دیکھا ہے؟ پس لوگوں کو ایسا شخص ملے گا اور اس کے خیر وفضل سے لوگوں کو فتح حاصل ہوگی)۔

اس باب میں ابوسعید خدری کی حدیث متفق علیہ ہے (۷۶)، اور اس میں غزوہ فئام کا ذکر آیا ہے، لیکن یہ تین قرن کے ذکر پر مشتمل ہے، اس میں چار قرن کا تذکرہ نہیں ہے، جس

(۷۵) مسلم فضائل: ۲۵۳۲۔ (۷۶) بخاری فضائل: ۳۶۴۹، مسلم فضائل: ۲۵۳۲۔

طرح مسلم کی اس حدیث میں ہے، اور صحیح مسلم، صحیح بخاری کی طرح بلا فرق و تفاوت حجت ہے، پس جس خیر وفضل کی خبر دی گئی ہے، وہ چاروں قرن کو شامل ہے۔

"قرن" کی تحقیق

"قرن" کی تحدید اور اس کی مدت کی تعیین کے بارے میں علماء حدیث اور ائمہ لغت کے اقوال مختلف ہیں، ان لوگوں نے کم اور زیادہ دونوں مدت کی نشان دہی کی ہے، لیکن اس باب میں زجاج کا قول تمام اقوال سے زیادہ راجح ہے، وہ کہتا ہے کہ قرن ہر وہ مدت یا زمانہ ہے جس میں پیغمبر ہو یا اہل علم کا طبقہ ہو، خواہ سال کم ہوں یا زیادہ، اس نے پہلی حدیث "خیر القرون قرنی" سے استدلال کیا ہے، اور لفظ "قرنی" کو عہد صحابہ پر محمول کیا ہے۔

قاموس میں قرن کو صد سالہ مدت کہا ہے، اور اس کے اصح ہونے کی نشان دہی کی ہے، مغیرہ نے کہا کہ قرن نبوی سے مراد صحابہ ہیں، اور "الذین یلونھم" سے صحابہ کی اولاد مراد ہیں، اور دوسرا "الذین یلونھم" صحابہ کی اولاد کی اولاد پر محمول ہے، شہر کا قول ہے کہ قرن نبوی وہ مدت ہے جب تک آپ ﷺ کو دیکھنے والی آنکھ باقی رہی، دوسرا قرن وہ ہے کہ صحابی کو دیکھنے والی آنکھ جب تک باقی رہی، ثم کذلک، بعض لوگوں نے دس سال سے ایک سو بیس سال تک کو قرن کہا ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا ہے کہ امام مسلم کے نزدیک عبد اللہ بن بشر کی حدیث میں قرن کے ایک صد سالہ ہونے پر دلالت ہے، اور یہ مشہور ہے۔

حاصل یہ کہ قرن کی تحدید میں اختلاف وانتشار بہت ہے، لوگوں نے انسان کی طبعی عمر ایک سو بیس یا ایک سو پچیس سال بیان کی ہے، اگر قرن کو اس مدت کے ساتھ محدود کریں تو کوئی مستبعد چیز نہیں ہے، اس باب میں تمام اختلافات کا قصہ دلیل الطالب میں مذکور ہے۔

حافظ نے کہا ہے کہ حدیث خیر القرون کا مقتضی یہ ہے کہ صحابہ افضل ہیں تابعین سے، اور تابعین افضل ہیں تبع تابعین سے، لیکن یہ فضیلت مجموع کی نسبت سے ہے یا افراد کی نسبت سے؟ محل بحث ہے، جمہور کا میلان دوسرے پہلو کی طرف ہے، اور پہلا قول عبد البر کا ہے، اور ان کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

"مثل أمتي مثل المطر لا يدرى أوله خير أم آخره" (۷۷)(میری امت کی مثال بارش کی طرح ہے، جس کے بارے میں یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا آخر) یہ حدیث حسن ہے، اس کے متعدد طرق ہیں، جن سے صحت کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، انتہی۔

قول صواب: مسند وقت شیخ ولی اللہ محدث دہلوی کا قول یہی ہے کہ صحابہ کی خیریت وافضلیت دوسروں پر مجموع بمجموع کے اعتبار سے ہے، نہ کہ افراد با افراد کے اعتبار سے، انتہی، یہی درست ہے، کیونکہ صحابہ میں بعض ایسے گذرے ہیں جو حدود کے مرتکب ہوئے، اور آخر امت میں ایسے لوگ ہوں جو صلاح کامل کے حامل ہوں، اگر اولیت اور آخریت کو کسی زمانے کے ساتھ مقید نہ کریں تو یہی زیادہ اولی ہوگا۔ کیونکہ یہ قول ان تمام اہل خیر وصلاح کو شامل ہوگا جو صحابہ کے بعد آئے، اور ان کا علم وفضل معلوم ہے، پس اس کو امر اضافی پر محمول کرنا زیادہ واضح دکھائی دیتا ہے۔

شوکانی نے شرح منتقی میں جمہور کے قول اور ابن عبد البر کے قول کے درمیان تطبیق اس طور پر دی ہے کہ صحابہ کی فضیلت پر تنصیص فضیلت صحبت کے اعتبار سے ہے، لیکن اعمال خیر کے اعتبار سے وہ اور دوسرے برابر ہیں، کیونکہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صحابہ کے بعد والے لوگوں میں کبھی کبھی کوئی ایسا شخص اٹھے جس کے اعمال صحابی سے زیادہ ہوں، پس کثرت اعمال کے اعتبار سے اس کا اجر زیادہ ہوگا، اور اس حیثیت سے وہ افضل ہوگا، ایسا بہت ہوتا ہے کہ صحابہ کے بعد والے لوگوں میں ایسے افراد پائے جائیں جو صحابہ سے عمل میں کم تر ہوں، پس اس حیثیت سے وہ مفضول ہوں گے، الخ۔ یہ تمام اقوال میں بہترین قول ہے، اس کو دلیل الطالب میں دیکھو۔

قرون خیر کی تحدید

(۷۷) ترمذی امثال: ۲۲۹، ۲۳۰، احمد ۳/ ۱۳۰، ۱۴۳، حسن۔

قرن نبوی جو بقول جمہور صحابہ پر مشتمل ہے، اس کی مدت ایک سودس تھی، قرن تابعین ایک سوسال سے ستر سال تک باقی رہا، اور قرن تبع تابعین یہاں سے دوسوبیس سال کی حد تک ہوگا، اور قرن اتباع تبع تابعین بغیر کمی کے اسی قدر رہوگا، رہی یہ بات کہ دلیل الطالب میں قرن رابع کی روایت کی سند کو ضعیف کہا ہے، اس کی وجہ اس وقت میں حدیث مسلم سے غفلت رہی ہے، اس کا ثبوت راجح ہے، ان شاء الله تعالى، ورحمة الله أوسع وفضله أكثر۔

حافظ ابن حجر نے قرن رابع کے ذکر میں حضرت جابر کی روایت کو شاذ کہا ہے، اور لکھا ہے کہ اکثر روایات تین قرن پر محدود ہیں، اس روایت کا مسلم میں ہونے کے باوجود اس پر شذوذ کا حکم درست نہیں بیٹھ رہا ہے، جب کہ علماء اصول کی بلند پایہ جماعت کے نزدیک زیادہ ثقہ مقبول ہے، پھر ضرورت کیا ہے کہ وسیع چیز کو محدود کیا جائے، موت کے اعتبار سے آخری صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ لیثی ہیں، جو سن ایک سو یا ایک سوسات یا ایک سوسولہ میں وفات پائے، پس اگر آخری روایت ثابت ہو جائے تو قرن اسی مدت سے عبارت ہوگا، اور اس کے بعد والے قرون اسی پر قیاس کئے جائیں گے، مگر اس صورت میں کہ تابعین اور تبع تابعین کا وجود مسعود روئے زمین پر اس سے زیادہ مدت تک پایا جائے تو قرون کی مدت زائد ہوگی۔

حافظ ابن حجر نے کہا: یہ بات ظاہر ہوگئی کہ بعثت رسالت اور صحابہ سے آخر دوصد سالہ کے درمیان ایک سوبیس سال ہے، یا ابوالطفیل کی وفات میں اختلاف کی بنا پر کم زیادہ ہے، اور اگر قرن کا اعتبار نبوت کی وفات کے بعد سے شمار کریں، تو ایک سونوے یا ستانوے سال ہوں گے، اور قرن تابعین کو سوسال سے معتبر مانیں تو ستر یا اسی سال ہوتے ہیں، رہے وہ لوگ جو ان کے بعد کے ہیں اگر ان کا زمانہ یہیں سے اعتبار کریں تو پچاس سال کے قریب ہوتے ہیں، یہیں سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ ہر زمانے کے لوگوں کی عمروں کے اختلاف کی وجہ سے قرن کی مدت مختلف ہے، اور اتفاق ایسا ہوا کہ تبع تابعین میں سے آخری شخص جو زندہ رہا

اور اس کی بات مقبول تھی تو وہ شخص دو سو بیس سال کی حدود تک زندہ رہا، انتہی، اگر قرن رابع کی مدت اس مدت کے ساتھ ملائیں تو زمانۂ خیر بہت دراز ہو جائے گا، اور ظاہر یہی ہے۔

امام مالک

بہرحال جس طرح ائمہ اربعہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ نے خیر القرون کے زمان برکت نشان کو پایا ہے، اور اس کی فضیلت کی وجہ سے دوسروں پر فائق ہیں، اسی طرح صدر اول کے ائمہ محدثین نے بھی اس زمانۂ خیر کو پایا ہے، اور ساری امت پر ان کو فوقیت حاصل ہوئی ہے، ان میں کے اول مدینۃ الرسول ﷺ کے امام مالک بن انس رحمہ اللہ ہیں، ان کے پردادا ابو عامر کو صحابہ میں ذکر کیا گیا ہے، ۹۰ھ یا بانوے یا ترانوے یا چورانوے یا پنچانوے میں پیدا ہوئے، تین سال شکم مادر میں رہے اور نوے سال زندہ رہ کر ۱۷۸ھ یا ۱۷۹ھ میں وفات پائی، جو بھی ہو ان کا زمانہ خیر القرون کا زمانہ تھا۔

امام اعظم کی وفات امام مالک سے پہلے یعنی ۱۵۰ھ میں ہو چکی تھی اس حساب سے ان کا زمانہ امام مالک سے بائیس یا تئیس سال مقدم تھا (☆) یہ دونوں امام ائمہ مجتہدین میں شمار ہیں، کتاب موطا پہلی کتاب ہے جو علم حدیث شریف میں تالیف ہوئی، اور بہت زیادہ مبارک اور قدیم ہے، اس جیسی کتاب دوسرے ائمہ اجتہاد سے معلوم نہیں ہے، کیونکہ مسند ابوحنیفہ و امام شافعی دوسروں کی مرتبہ ہے، خود ان لوگوں کی تالیف نہیں ہے۔

امام شافعی

ائمہ مجتہدین میں دوسرے امام شافعی ہیں، جو ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، اتفاق یہ ہوا کہ ان کے یوم پیدائش کو امام ابوحنیفہ نے رحلت فرمایا، گویا ان کا نعم البدل آیا، امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی، اور یہ سال قرون مشہود لہا بالخیر کے تحت داخل ہے۔

امام احمد بن حنبل

(☆) یہ زلۃ القلم ہے، اور وفات امام اعظم ''سن یک صد و پنجاہ و شصت لکھے جانے کا نتیجہ ہے، صحیح سن وفات ۱۵۰ھ کے اعتبار سے تقدم زمانی ۲۸ یا ۲۹ سال ہوتا ہے۔ (مترجم)

ان میں کے تیسرے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ہیں، ان کی پیدائش ۱۶۴ھ میں ہوئی، موصوف علم سنت میں جماعت اسلام کے امام تھے، ان کا یہ سال بھی خیر القرون میں داخل ہے، اگر قرون خیر کو تین قرنوں تک محدود مانا جائے جو یقینی ہے، تو اسی یقینی دور میں ان کا زمانہ بھی شامل ہے، چوتھے قرن میں پہنچنے کا سوال ہی نہیں ہے، ان کی وفات کا اتفاق ۲۴۱ھ میں پڑا۔

یہ چاروں مجتہد امام زمانۂ خیر کے لوگوں میں سے ہیں، یہ سب بہت سے فضائل ومناقب سے متصف تھے، اور ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں علم وعمل اور فضل وکمال میں اپنی نظیر نہیں رکھتا تھا، یہاں تک کہ ان کے مقلدین وتابعین نے ان کے محامد ومکارم میں بہت سی کتابیں بنائی سنواری ہیں۔

مناقب امام ابوحنیفہ

حنفی مقلدین نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مناقب میں سولہ مستقل کتابیں تالیف کی ہیں، ان کے نام کتاب اتحاف النبلاء میں مذکور ہیں، اور قریب اٹھائیس علماء نے امام صاحب کا ذکر شریف اپنی کتابوں میں کیا ہے، جن لوگوں نے ان کے ترجمہ میں ان کے قلت علم نحو یا حدیث میں ان کے ضعف کی بات لکھی ہے، ان کا مقصود ان عبارتوں سے طعن وجرح کا اظہار نہیں ہے، بلکہ واقع اور حقیقت کا بیان ہے، کیونکہ ان کے علم وفضل کے میدان میں طعنوں کا گذر نہیں ہے، ایسے بزرگوں کی جرح اگر نفسانیت اور تعصب کی راہ سے آئے تو یہ اللہ کے ساتھ محاربہ ہوگا، کیونکہ اللہ کے اولیاء کی دشمنی اس کی ناراضی کا سبب ہے، اور وہ ایسے شخص سے انتقام لیتا ہے، جو استخفاف یا کراہیت یا بدظنی یا بے ادبی کی نظر سے ان کی یا ان کے جیسوں کی طرف دیکھتا ہے۔

یہ تسلیم ہے کہ امام اعظم قلیل النحو یا قلیل الحدیث تھے، لیکن یہ معنی ان کے دیگر علوم وفضائل کو جن پر اہل اسلام کی جماعت کا اتفاق ہے، محو نہیں کرسکتا ہے، وہ کون شخص ہے جس میں کسی طرح کا خلل یا نقص نہیں رہا ہے، صحابہ کرام جو باجماع امت افضل امت ہیں، ان میں بھی بعض ایسے لوگ گذرے ہیں جو قلیل العلم تھے، اور بہت سی حدیثوں سے بے خبر تھے،

پس اگر امام اعظم نے انہیں اصحاب کے رنگ میں جن سے دو تین یا چند حدیثوں کے سوا مروی نہیں ہے، حدیث کم روایت کیا تو کون سی قباحت ہے۔

رہا علم نحو تو یہ مرتضوی ایجادات میں سے ہے، تمام صحابہ نے اس ایجاد کردہ طریقہ پر عمل نحو کی مزاولت نہیں کی ہے، بلکہ خود ان لوگوں کو اس علم کے نام ونشان سے واقفیت بھی حاصل نہیں رہی، جو شخص ان امور جیسی باتوں کو آں امام مقبول کی تحقیر پر محمول کرتا ہے، وہ سخت نامعقول ہے، اس نے خیر القرون کی کوئی قدر نہیں پہچانی، اور غائب کو حاضر پر قیاس کرنے کی غلطی کی۔

واضح رہے کہ امام صاحب یا دوسرے ائمہ کی تقلید کا رد کرنا، بالخصوص سنت صحیحہ کے معارض اور حدیث محکم کے مخالف ان کے قول کا انکار کرنا دوسری بات ہے، اور عالی قدر ائمہ کا نقص بیان کرنا امر دیگر ہے، پہلا حق صریح ہے، اور دوسرا باطل وقبیح، با ایں ہمہ ان ائمہ اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی طرف سے بہت سے صحیح عذر شروع کتاب میں شیخ الاسلام کی زبان سے بیان ہو چکے ہیں، ان تمام عذروں کے باوجود ان بزرگان دین کے فضل کبیر میں اب کون سی تقصیر کی گنجائش باقی ہے؟

اس میں شک نہیں ہے کہ بعض مقلدین حنفیہ اس باب میں ایسا زعم کرتے ہیں کہ ان ائمہ کی تقلید کا منکر ان کی تحقیر کرنے والا ہے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے اور لازمِ مذہب مذہب نہیں ہوگا، اگر کسی جاہل نے جو حضرت امام ہمام کے فضائل سے غافل اور زیور انصاف سے عاری ہے، ایسا کیا ہے تو اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا ہے

وإذا أتتك مذمتي من ناقص

فهي الشهادة لي بأني كامل

(جب کوئی ناقص شخص تم سے میری برائی بیان کرے تو یہ میرے کامل ہونے کی دلیل ہے)

ظاہر بات یہ ہے کہ اس باب میں عام شور وشغب کا باعث یہی مقلدین حضرات

ہیں، کیونکہ ان ائمہ کی تقلید واجب قرار دینے کی بنا پر ان کی مدح وستائش میں یہاں تک دوڑ لگائے ہیں کہ حد سے تجاوز کرنے کی صورت پیدا ہوگئی ہے، اور ان کے مقابل لوگ اس بات پر مجبور ہوئے کہ احکام ومسائل میں خطا سے امام صاحب کی عدم معصومیت کو بیان کریں، ساتھ ہی اس بات کے قائل ہیں کہ اگر کسی حکم ومسئلہ میں امام صاحب سے کوئی خطا ثابت ہو تو اس خطا کا صدور ان دس قسم کے اسباب اور بارہ طرح کی وجوہات جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کی بنا پر صحیح ہے، ان سب کے باوجود آں امام عالی مقام کے بارے میں اس طرح کی گفتار وکردار کے لئے ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے، یہ سارا جمود وتعصب امام ہمام کی تقلید کے مدعیوں کی جانب سے ہے، عالی مقام مجتہد سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، بے شبہ یہ خطا پر بھی ماجور ہیں، اس کے برخلاف ان کے مقلدین اپنی خطیات دہفوات میں غیر معذور ہیں، ولا تزر وازرة وزر أخری۔

اس قوم کا حال یہ ہے کہ اپنی عجیب وغریب نازیبا حرکتوں اور باہمی مباحث میں معارض ومتضاد اقوال وافعال اختیار کر کے ائمہ کے حق میں بدادبی کی راہ پر دوڑتے ہیں، اور حق صریح چھوڑ کر باطل زاہق کو گلے لگاتے ہیں، ان کے ان کرتوتوں سے ہمارا دل سخت رنجیدہ رہتا ہے، حاشا، ہماری نگاہ میں ان ائمہ اور خیر القرون کے بزرگوں جن کے فضائل ومناقب معلوم اور کتب صحیحہ میں مرقوم ہیں، ان سب کی بزرگی اور شان کی بلندی میں کوئی تفاوت نہیں ہوگا، اور ان بزرگوں کی جانب ہمارے دل میں کسی بدگمانی کا گذر نہیں ہونے پائے گا، ونعوذ باللہ من جمیع ما کرہ اللہ۔

اگر یہ بزرگان دین نہ ہوتے تو قرآن کریم کو ہم تک کون پہنچاتا، اور اجتہاد کا دروازہ ہم پر کون کھولتا، ملت کے یہ حاملین نبوت اور ناقلین روایات جب مطعون ومجروح اور مظنون بدہوں گے تو وہ کون ہے جس سے سلف صالح عبارت ہوگی، یہ طریقہ خاص بدذات شیعہ کا شیوہ ہے، جو اہل تقلید کے جاہلوں میں درآیا ہے، اور اس جنون میں وہ اپنا سرمایۂ ایمان بھی ہار بیٹھے ہیں، اللھم اغفر۔

یہ گفتگو امام اعظم کے ساتھ خاص نہیں ہے، جو علم وعمل وفضل میں مجتہد اول ہیں، بلکہ جملہ ائمہ امام شافعی، امام احمد و مالک اور ان کے ہم مثل اساطین حدیث وسنت کے بارے میں بھی یہی بات ہے، کیونکہ حفظ مراتب اور لحاظ مناصب میں ان تمام کا حکم ایک ہے:
﴿قد جعل الله لكل شئ قدرا﴾ (۷۸)(بیشک اللہ تعالی نے ہر چیز کا اندازہ و پیمانہ مقرر کیا ہے)

آخر زمانے کی آفات میں سے ایک یہ ہے کہ بحث ومجادلہ کا بازار گرم رہتا ہے، مثلا رد تقلید میں گفتگو ائمہ کے طعن وتشنیع تک پہنچ جاتی ہے، اور اتباع سنت میں بحث ہوتی ہے تو حق رسالت میں برے کلمات فرماتے ہیں، وذلك هو الضلال البعيد، یہ کیسی مسلمانی ہے کہ ائمہ دین وسلف صالحین کو بدی کے ساتھ یاد کریں، اور عمل بالحدیث سے منع کریں، اتباع سنت اور ترک تقلید ہر ملت کا عین مقصود اور تمام اماموں کا مذہب ہے، انمیں سے کوئی اس سے الگ نہیں ہے، لیکن چند بدنام لوگوں نے ان نیک لوگوں کو رسوا کر دیا ہے، اور اس بکواس سے اپنے نامۂ اعمال کو اور اپنے چہرے کو سیاہ کر ڈالا ہے، ونعوذ بالله من الخذلان۔

مناقب امام مالک وشافعی واحمد

امام اول سے آگے بڑھتے ہوئے باقی تین ائمہ کی طرف چلتے ہیں، جس طرح پہلے امام اعظم کے مناقب میں کتابیں ہیں، اسی طرح تینوں اماموں کے مناقب میں بھی بہت کتابیں ہیں، مثلا امام مالک کے فضائل میں تین کتابیں ایسی ہیں جو سیوطی اور دوسرے شوافع کی تالیف کردہ ہیں، رہے مالکیہ تو اس باب میں خود ان کی بہت سی تالیفات ہیں، اسی طرح امام شافعی کے مناقب میں قریب اکیس کتابیں لکھی گئی ہیں، اور امام احمد کے مناقب میں بہت ساری تالیفات تیار ہوئی ہیں، ان مؤلفات میں مذاہب اربعہ کے ہر ایک عالم نے دوسرے امام کے مناقب بھی بیان کئے ہیں۔
یہ صورت حال اس بات پر واضح دلیل ہے کہ فضائل ائمہ اربعہ وغیرہم کے قبول کرنے

(۷۸)سورۃ الطلاق:۳۔

کے بارے میں سلف میں باہم کوئی عداوت اور اس زمانے کے جاہلوں کی نزاع کی طرح کوئی لڑائی نہیں تھی، بلکہ اس زمانے کے مقلدین کے برخلاف ہر مذہب کا عالم چاہے کسی خاص مذہب کے ساتھ مشہور ہو، اپنے غیر مذہب کے امام کی قدر کما حقہ پہچانتا تھا، اور اپنی عقیدت ائمہ کی جناب میں بلا کم وکاست مساوات کے طریقہ پر رکھتا تھا، مذاہب کے بارے میں صرف یہی درست طریقہ ہے کہ ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دیں، نہ ایک امام کو دوسرے امام پر، نہ ایک ماموم کو دوسرے ماموم پر ترجیح دی جائے، کیونکہ ہم ظاہر پر حکم کرتے ہیں، اور ان کے باطن کے حقائق تک نہیں پہنچتے ہیں، اور یہ بھی نہیں جانتے کہ اللہ کے نزدیک حق کے اثبات اور باطل کے ابطال میں کون افضل ہے، اور کون افضل نہیں ہے؟ یہ تعصب کہ ہر مقلد اپنے امام کو دوسرے امام سے افضل کہتا ہے، اور اپنے مذہب کو صواب، دوسرے مذہب کو غلط سمجھتا ہے، یہ مرض ایک بڑی جماعت میں گھسا ہوا ہے، جن میں نوعمر شخص بوڑھی عورت بنا ہوا ہے، اللهم اغفر۔

بالجملہ ائمہ اربعہ کے بعد ایک جماعت اٹھی جس نے علم حدیث شریف کو ان تمام شروط کے ساتھ جو اس فن کی کتابوں میں معروف ہیں، طلب کرنے میں اپنے کو وقف کر دیا، اور اس شریف عمل پر ان کو برانگیختہ کرنے والے ائمہ اربعہ کے وہ اقوال ہیں جو بار بار اتباع سنت اور حدیث کے اختیار کرنے کا حریص بناتے ہیں، اور اپنی اور غیر کی تقلید سے روکتے ہیں، اگر لوگ اچھی طرح سوچیں سمجھیں تو معلوم کرلیں گے کہ ائمہ موصوفین کے راست گو مقلد اور حق جو پیروکار محدثین کی یہی جماعت ہے، یہ احناف وشوافع وغیرہما جنہوں نے تقلید کو حدیث کی برابری میں اختیار کیا ہے، مسائل قیاسیہ اور احکام اجتہادیہ کو اللہ اور رسول کے کلام پر ترجیح دیتے ہیں، درحقیقت یہ لوگ تقلید ائمہ کے تارک اور ان کے ارشادات کے منکر ہیں، خود امام ابوحنیفہ کے خلاف راہ چلتے ہیں، اور اس کی تہمت متبعین سنت پر رکھتے ہیں، وقد خاب من افتری (تہمت باندھنے والے بلاشبہ نامراد ہوئے)

جرم از طرف غیر و ملامت ہمہ بر من

گوئی سر انگشت ملامت زدگانم

(جرم دوسرے کا اور ساری ملامت مجھ پر، گویا انگشت ملامت کی مار کھانے والا میں ہی ہوں)

بعض علم وفن اور تقلید کے خواص

اگر تم سچ پوچھو تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ہر علم وفن کی کوئی خاصیت ہوتی ہے جس کے ذریعہ دوسرے احوال سے وہ ممتاز ہوتا ہے، اسی طرح لوگوں نے کہا ہے کہ جو شخص علم حدیث میں مشغول رہتا ہے، اس کی عمر دراز ہوتی ہے، علم حساب کے متعلم پر سچائی غالب ہوتی ہے، رائے وقیاس کے طالب علم پر کبر ونخوت کا تسلط ہوتا ہے، اور فقہائے زمانہ پر حیلہ گری اور مکر کی صفت مسلط ہوتی ہے، اسی طرح تقلید پسندی کے خواص میں سے ایک یہ ہے کہ مقلد دروغ گو ہوتا ہے، اور جھوٹ کو جو شرک کا رفیق ہے، تحریر وتقریر میں اپنا وظیفہ بناتا ہے ؎

ما اہلحدیثیم دغا را نشناسیم

صد شکر کہ در مذہب ما حیلہ وفن نیست

(ہم اہلحدیث ہیں، دغا بازی ہم جانتے ہی نہیں ہیں، اللہ کا بہت بہت شکر ہے کہ ہمارے مذہب میں حیلہ گری اور فن کاری نہیں ہے۔)

اس جگہ حدیث پر عمل کی ترغیب اور تقلید سے منع کے بارے میں اگر ائمہ اربعہ کے بہت سے اقوال میں سے تھوڑا سا حصہ بیان کریں تو دعوی کو دلیل کے ساتھ ارتباط بخشیں گے، اور انصاف پسند حق پرست اور طالب صواب کو اپنے ساتھ شامل کر لیں گے۔

اقوال امام ابوحنیفہ

امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رحمہ اللہ، جو ائمہ مجتہدین میں سب سے مقدم اور اصحاب دین میں سب سے مکرم ہیں، کتب حنفیہ وغیرہ میں ان سے چند اقوال مروی ہیں، ان کا ایک قول یہ ہے:

قول اول:

"اذا قلت قولا وكتاب الله يخالفه فاتركوا قولي لكتاب الله، فقيل: اذا كان خبر الرسول ﷺ يخالفه؟ قال: اتركوا قولي بخبر الرسول، فقيل: اذا كان قول الصحابة يخالفه؟ قال: اتركوا قولي بقول الصحابة" (۷۹)

(جب میں کوئی بات کتاب اللہ کے خلاف کہوں تو میرا قول چھوڑ کر کتاب اللہ کو پکڑو، لوگوں نے کہا جب آپ کا قول حدیث رسول ﷺ کے مخالف ہو تو ؟ کہا میرا قول چھوڑ کر حدیث کو لو، پھر سوال ہوا کہ جب آپ کا قول صحابہ کے قول کے مخالف ہو تو ؟ فرمایا میرا قول چھوڑ دو اور صحابہ کا قول اختیار کرو)۔

قول مذکور میں حضرت امام کے انصاف کا کتنا زبردست مظاہرہ ہے کہ اپنے قول کو صحابی کے قول پر بھی تقدیم دینے کے روادار نہیں ہیں، پھر تو قول رسول اللہ ﷺ اور کتاب اللہ عزوجل پر تقدیم کی بات بہت دور ہے، لیکن امام ہمام کے مقلدوں کا حال یہ ہے کہ ان کی منشأ کے خلاف ان کے قول کو قول رسول پر ترجیح دیتے ہیں ع ببیں تفاوت رہ از کجا ست تا بکجا (یہ فرق و تضاد دیکھو کہ راستہ کہاں سے کہاں پہنچا۔)

اگر کہو کہ اس دعوی کی دلیل ونشان چاہئے، تو ہم بطور ثبوت کہیں گے کہ فقہ حدیث اور فقہ رائے کی کتابوں میں دیکھنا چاہئے کہ کس قدر قیاسات اور مذہب خاص کے قضایا واحکام عام طور پر خلاف سنت واقع ہوئے ہیں، اور مقلدین ان جگہوں میں اپنے مذہب کو ہرگز نہیں چھوڑتے ہیں، اور مذہب مخالف حدیثوں وسنتوں کو قبول کرنے کے لئے سر نہیں جھکاتے ہیں، مثلا نماز کے چار مواقع میں رفع الیدین، آمین بالجہر، اور قراءۃ خلف الامام کے مسائل، اس میں شک نہیں کہ اگر حضرت امام کو یہ حدیثیں پہنچی ہوتیں تو ہرگز ان کے خلاف حکم نہیں کرتے، وہ اس قسم کے مسائل کے قائل نہ ہونے میں ماجور ہیں، جب کہ یہ مقلدین

---

(۷۹) ایقاظ الھمم ص ۵۰۔

قصور وار غیر معذور ہیں۔

امام صاحب کا قول مذکور تقلید سے منع کا فائدہ دیتا ہے، اور بلند آواز سے اعلان کر رہا ہے کہ اصل قول اللہ ورسول کا قول ہے، بلکہ آپ کے صحابہ کا قول ہے، نہ کہ امام کا قول ہے، خاص کر جب امام کا فتوی ان تینوں کے اقوال کے مخالف پڑے، اور "اتـركـوا قولـي" ترک تقلید پر محکم دلیل ہے، کیونکہ تقلید اسی بات سے عبارت ہے کہ کوئی شخص دوسرے کا قول بغیر دلیل قبول کرے، اور اس کو دلیل یا اصول میں سے کوئی اصل سمجھ کر اس کے موجب پر کاربند ہو جائے، کیونکہ جس قول کے ساتھ آیت یا سنت کی دلیل ہے، اس کا قائل اس دلیل شرعی کا قائل ہے، اس قول کا قائل نہیں ہے، اس لئے باتفاق اکابر امت، علماء محدثین اور عارفین سنت سے روایت قبول کرنا تقلید میں داخل نہیں ہے۔

دوسرا قول:

"لا يحل لأحد أن يفتي بقولنا ما لم يعلم من أين قلنا"۔ (۸۰)

(کسی کے لئے ہمارے قول پر فتوی دینا حلال نہیں ہے، جب تک کہ وہ ہمارے قول کی دلیل نہ جان لے)

اس قول میں امام صاحب نے اپنے بے دلیل قول پر فتوی دینے کو غیر حلال و ناجائز بتایا ہے، جو اس کے حرام ہونے سے عبارت ہے، یہی ائمہ کی شان ہے، اگر اس طرح نہ فرماتے تو امام نہ ہوتے، اور پہلے قول کا مفہوم و مضمون تقلید سے نہی پر دلیل ہے، لیکن مقلدین اس قول کے خلاف راہ چل رہے ہیں، امام صاحب کی یا ان کے شاگردوں کی جو باتیں ان کو پہنچی ہیں وہ سب منقطع السند ہونے اور ان کے اتصال پر قدرت نہ رکھنے کے باوجود انہیں پر قضاء و افتاء فرماتے ہیں، اور رسول ﷺ سے مرفوع حدیث جو بواسطہ اہل آثار متصل سند کے ساتھ ان کو پہنچی ہے، اسے اقوال کے مقابل میں ترک کر دیتے ہیں، اور کوئی وزن نہیں دیتے، یہ شیوہ امام مشہود بالخیر کے مقصود کے عین ضد ہے۔

---

(۸۰) مصدر سابق ص ۵۱۔

"من أين قلنا" سے مراد یہ ہے کہ فروع صرف اصول کے موافق ہوں، جو کتاب وسنت سے عبارت ہیں، اس کے علاوہ اس کا اور کوئی معنی نہیں ہے، عجیب بات یہ ہے کہ اگر کسی کو امام ہمام کی دلیل پر اطلاع ہو جائے تو ضروری نہیں ہے کہ اس کی اتباع امام کی فہم کے مطابق کرے، خاص کر اس وقت جب اس مسئلہ میں دوسری دلیل صحت وشہرت اور قبولیت کے لحاظ سے زیادہ راجح ہو، بلکہ کئی دلیلوں کے اجتماع کے وقت پہلا قاعدہ جمع وتطبیق ہے، پھر ترجیح کا طریقہ ہے۔

وجوہ ترجیح:

متعارض دلیلوں میں وجوہ ترجیح کی تعداد ایک سو سے زائد ہے، جیسا کہ حصول مامول کے آخر میں بیان کیا گیا ہے، من جملہ ایک یہ ہے کہ وہ حدیث صحیحین میں موجود ہے، اور اکابر امت کے اجماع سے صحیحین کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے، پس ان کے علاوہ سنن ومعاجم اور اجزاء کی حدیث ان کی حدیث کے ساتھ برابر نہیں چل سکتی ہے، چاہے کتنا ہی کسی نے خرق اجماع کا ارتکاب کرتے ہوئے اس مدعا کے خلاف فتوی دیا ہو، یا اب دے۔

تیسرا قول:

امام صاحب اور ان کے خلیفہ راشد وتلمیذ صادق ابو یوسف رحمہ اللہ دونوں نے کہا ہے:

"لا يحل لأحد أن يأخذ بقولنا ما لم يعلم من أين أخذنا". (۸۱)

(کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ ہمارے قول کو مانے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ ہم نے کس دلیل سے اس کو لیا ہے)

ان دونوں اماموں کا یہ قول ان کے پہلے دونوں قول کی طرح تقلید سے نہی کا فائدہ دینے میں صریح اور اس کی تحریم پر نص ہے، اگر متاخرین علماء وائمہ کی کوئی جماعت دلیل وماخذ نامعلوم ہونے کے وقت تقلید کی تحریم اور اس کی عدم حلت کی قائل ہوئی ہے تو وہ جناب امام ہمام کی عین موافقت کی طرف کود پڑی ہے، یہاں پر جو خلاف بات ہے وہ تقلید امام کے

(۸۱) مصدر سابق ص ۵۳۔

مدعیوں کی امام کے ساتھ مخالفت ہے، متبعین سنت کی طرف سے امام صاحب کی مخالفت نہیں ہے، کیونکہ یہ لوگ امام صاحب کے قدم بقدم چل رہے ہیں، اور ان کے قول کو امام الکلام جانتے ہیں، ان کی بات کے آگے دوسروں کی بات سننا اختیار تقلید اور ترک اتباع سے کم تر گناہ نہیں جانتے ہیں، ان سے ہرگز یہ بے ادبی نہیں ہو سکتی ہے کہ امام کے قول کو چھوڑ دیں اور تقلید امام کے مدعیوں کے قول کو امام کے قول پر ترجیح دیں، یہ کام مقلدوں کو مبارک ہو ع ایں کار ازتو آید و مرداں چنیں کنند (یہ گھٹیا کام تمہارا ہے، مردان حق اس سے بلند کام کرتے ہیں)

چوتھا قول:

امام صاحب فرماتے تھے:

"اذا صح الحدیث فھو مذھبی" (۸۲) (جب حدیث صحیح ہو تو وہی میرا مذہب ہے)

یہ تعلیق و شرط اس وجہ سے ہے کہ امت میں سے کسی کو چاہے امام ہو یا ماموم، احادیث نبویہ کا احاطہ حاصل نہیں ہے، جب کہ دین میں حدیث پر عمل ہے، پس جب کوئی صحیح حدیث آجائے تو اس پر عمل متعین ہوگا، امام صاحب نے اس تعیین کو اپنے مذہب کی علامت ونشان بتایا ہے، یہی جمہور علماء محدثین وصوفیہ اور متبعین سنت کا قول ہے، اور شک نہیں ہے کہ ابواب کثیرہ میں بہت سی احادیث امام صاحب کے بعد مرتبہ صحت کو پہنچی ہیں، اور علم حدیث میں جوامع، سنن، معاجم، مسانید، اجزاء اور ان کے سوا انواع واقسام کی مؤلفات وجود میں آچکی ہیں، پس صحیح ثابت ہونے کے بعد ان پر عمل کرنا امام ہمام کا عین مذہب ہے، ظاہر ہے کہ ان پر عمل کرنا رائے کا ترک کرنا ہوگا، وھو المطلوب۔

یہیں سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ امام صاحب کی درست وراست تقلید اہل اتباع کی جانب سے ہوئی ہے، نہ کہ اہل تقلید واہل بدعت کی طرف سے، کیونکہ حدیث کتنی ہی صحیح ہو، اور اس فن کے ناقدین اس کی صحت کا حکم لگائیں، مقلدین مذہب اس کو اپنا مذہب نہیں بناتے ہیں، بلکہ متباین رایوں اور مختلف من پسند چیزوں کو جو کسی بناوٹی مذہب والے کی

---

(۸۲) مصدر سابق ص ۵۲، ۶۲۔

طرف منسوب ہیں، انہیں کو اپنا مذہب بنا کر ان کے مطابق راستہ اختیار کرتے ہیں۔

پانچواں قول:

امام صاحب فرماتے ہیں:

"هذا ما قدرنا عليه في العلم، فمن وجد أوضح منه فهو أولى بالصواب" (۸۳) (حسب مقدور یہی ہماری معلومات ہیں، جس کسی کو اس سے زیادہ واضح چیز مل جائے وہی زیادہ لائق صواب ہے)

اس عبارت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ امام صاحب جملہ علوم وفنون کی انواع واقسام کا احاطہ نہیں کئے تھے۔ بلکہ ہر مسئلہ میں انہوں نے بقدر قدرت وطاقت پوری کوشش صرف کی ہے، اور ممکن ہے کہ دوسرا شخص کوئی ایسی دلیل پائے جو امام صاحب کی مقدور سے زیادہ واضح ہو، یا ایسی حدیث سے واقف ہو جائے جس سے امام صاحب کو واقفیت نہیں ہوسکی، جیسا کہ پہلے اس کے اسباب ووجوہ کا ذکر ہو چکا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آیات قرآن اور احادیث بینات سے زیادہ واضح کوئی چیز نہیں ہے، پس اگر کسی نے ایسی حدیث پائی جو صحیح، صریح، غیر منسوخ اور محکم الثبوت ہے، اور بواسطہ صحیحین، سنن اربعہ وغیرہ مسند متصل مرفوع کی صفت پر اس کو پہنچی ہے، تو امام ہمام کے ارشاد کے مطابق اس حدیث کے مضمون پر اس کو عمل کرنا زیادہ اولی ہے۔

چھٹواں قول:

امام صاحب کا قول ہے:

"لا يحل لأحد أن يأخذ بقولنا ما لم يعرف مأخذه من الكتاب والسنة أو اجماع الأمة أو القياس الجلي في المسئلة" (۸۴)

(کسی کے لئے حلال نہیں ہے کہ ہمارے قول کو اختیار کرے، جب تک کہ کتاب وسنت یا اجماع امت یا مسئلہ میں قیاس جلی سے اس کا ماخذ نہ معلوم کر لے)۔

---

(۸۳) مصدر سابق ص ۵۴۔ (۸۴) مصدر سابق۔

اس قول میں چار چیزوں کو ماخذ کہا ہے، پہلی دو چیزوں (کتاب وسنت) کے ماخذ ہونے میں خود اجماع امت بھی ہے، تیسرا ماخذ اجماع امت ایسی چیز ہے جو پہلے دونوں ماخذوں کی محتاج ہے، رہا چوتھا ماخذ قیاس، تو اس کا مقام عدم دلیل کا مقام ہے، اور اس کا انکار اس جیسی حالت میں کوئی نہیں کرتا ہے، یہاں تک کہ ظاہر یہ بھی قیاس جلی کے قائل ہیں، اور علی الاطلاق اس کا انکار نہیں کرتے ہیں، اجماع امت کا حال یہ ہے کہ اس کا علم بہت ہی مشکل چیز ہے، اسی لئے امام احمد جو ائمہ اربعہ میں چوتھے امام ہیں، انہوں نے اجماع امت کا انکار کیا ہے، اور قیاس کے بارے میں کہا ہے کہ وہ مردار کی طرح ہے، جس کا کھانا اضطرار کے وقت جائز ہوتا ہے۔

اب دو ہی ماخذ رہ جاتے ہیں، ایک کتاب اللہ، دوسرے سنت رسول، جو ہر علاقے اور تمام اطراف وجوانب کے ہر چھوٹے بڑے کے ہاتھ میں موجود ہیں، اور فنائے عالم تک عالم میں باقی رہنے والے ہیں، یہی دونوں نصوص کے خصوص اور دلیلوں کے عموم کے ساتھ تمام احکام ومسائل میں کفیل ہیں، لیکن ان کی اہمیت ان لوگوں کے نزدیک ہے جو ان دونوں کا فہم رکھتے ہیں، اور ہدایت کے لئے تمام مشغلوں کے عوض انہیں کو اختیار کئے ہیں، یہ دونوں ان لوگوں کے لئے کار آمد نہیں ہیں جو اللہ اور رسول کی محبت کی حلاوت سے دور پڑے ہیں، اور احبار ورہبان، فقہاء ومشائخ کی محبت ان کے حواس پر چھائی ہوئی ہے، یہ بحث بہت طویل ہے، بڑی بڑی کتابوں میں اپنے مقام پر منقح اور صاف ہو چکی ہے، بہر حال امام ہمام کی عبارت کا مقصود یہ ہے کہ جب تک ان کے قول کا ماخذ نہ معلوم ہو جائے ان کی تقلید ترک کر دینی چاہیے، اور جب ماخذ معلوم ہو گیا اور مدلول کو دلیل کے موافق پایا تو تقلید پاشی بھی ہو گئی اور اتباع کا منصب بھی ہاتھ آیا، اللہ تعالی توفیق بخشے۔

ساتواں قول:

امام صاحب نے فرمایا:

"اذا جاء عن النبی ﷺ فعلی الرأس والعین، واذا جاء عن اصحاب

النبی نختار من قولهم، واذا جاء عن التابعين زاحمناهم" (۸۵) (نبی ﷺ کی حدیث سرآنکھوں پر، صحابہ کرام کا مختار قول ہم قبول کریں گے، اور تابعین کے قول پر بحث ومناقشہ کریں گے۔)

یہ قول اس بات کا فائدہ دے رہا ہے کہ نبی ﷺ کا قول بے چوں وچرا لائق اخذ وقبول ہے، اور صحابی کا ہر وہ قول اختیار کرنے کے لائق ہے، جو دلیل کے موافق ہو، علی الاطلاق ہر قول نہیں لیا جائے گا، جیسا کہ من تبعیضیہ اس پر دلالت کررہی ہے۔ رہا تابعین کے اقوال سے مزاحمت ومناقشہ کا مسئلہ تو اس کا سبب معاصرت ہے، جیسا کہ بعض لوگ امام صاحب کو تابعین میں شمار کرتے ہیں، اور معاصر کو معاصر کی تقلید واجب نہیں ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ ایک زمانے کے لوگ اکثر عقل وفہم اور ذہن ودماغ میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہوتے ہیں، اور دلیلوں کے غیر مدلول میں ہر مجتہد اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرسکتا ہے، کیونکہ اس کا اجتہاد اس کے حق میں اس مسئلہ پر دلیل ہے، جس میں اس نے اپنی پوری محنت کرکے کوئی حکم نکالا ہے، لیکن اس کا اجتہاد دوسرے کے لئے خواہ عالم ہو یا عامی، واجب الاعتقاد، حتمی العمل اور ضروری الاخذ نہیں ہے، اگر ایسا ہے تو اس کے وجود کی دلیل پیش کرنے کی مہربانی کرنی چاہئے۔

اگر امام ہمام من جملہ تابعین نہیں ہیں جیسا کہ جمہور علماء کا مشہور قول ہے، تو امام صاحب کی تابعین کے ساتھ مزاحمت اس بات پر سب سے بڑی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک متقدم کی تقلید شرع میں کوئی چیز ہی نہیں ہے، اگرچہ مقلَّد (بالفتح) اس مقلِّد (بالکسر) پر زمان اور رتبہ میں تقدم رکھتا ہو، یہ تو مسلک اہل اتباع کے ساتھ امام صاحب کی عین موافقت ہے، اس طرح کہ متبعین کے نزدیک حجت صرف اللہ کے قول اور رسول کے قول میں منحصر ہے، موقوف اور مقطوع روایت میں حجت نہیں ہوتی ہے، خاص کر اس حالت میں کہ وہ اصول کے مخالف یا ان سے متصادم ہو، وللہ الحمد۔

---

(۸۵) مصدر سابق ص ۷۰۔

امام صاحب کے اقوال میں سے ان مذکورہ سات اقوال کی بطور نمونہ اس جگہ نشاندہی کی گئی ہے، ورنہ شیخ محمد حیات سندی رحمہ اللہ نے کہا ہے:

"لو تتبع الانسان النقول لوجد أكثر مما ذكر، قال: ودلائل العمل بالخبر أكثر من أن تذكر" (٨٦) (اگر کوئی انسان امام صاحب سے مروی اقوال کا تتبع کرے تو مذکورہ اقوال سے بہت زیادہ پائے گا، مزید کہا: حدیث پر عمل کے دلائل اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو ذکر نہیں کیا جا سکتا)

فی الواقع امام صاحب ان کے تلامذہ اور دیگر متقدمین حنفیہ سے بہت سی نقول کتب حنفیہ میں مذکور ہیں، یہ مختصر کتاب ان سب کے نقل کرنے کی تاب نہیں رکھتی ہے، جس کو قلیل سے تشفی نہ ہو اس کے لئے کثیر بھی نفع بخش نہیں ہوتا۔

ان کتابوں کے نام جن میں یہ ساتوں اقوال مرقوم ومنقول ہیں، ہماری کتاب الدین الخالص میں ان اقوال کے نشان ومکان مفصل مذکور ہیں۔ (☆)

حضرت امام علیہ الرحمۃ نے یہ ارشادات اس وقت فرمائے ہیں جب زمانہ، تقلید کا زمانہ نہ تھا، اور کوئی شخص اس نامبارک لفظ کا نام ونشان بھی نہیں جانتا پہچانتا تھا، کیونکہ باتفاق اہل علم اس بدعت کا ظہور قرون مشہود لہا بالخیر کے بعد ہوا ہے، اور ۴۰۰ھ میں اس کی ابتداء تھوڑی تھوڑی عوام میں رونما ہوئی، یہاں تک کہ دار السلام بغداد سے سلطنت اسلامیہ کے زوال کے بعد جاہلوں اور عوام نے ان چاروں اماموں کی تقلید کے وجوب پر اتفاق کر لیا، میں نے غلط کہا، تقلید کے وجوب پر متفق نہیں ہوئے بلکہ تقلید میں ان کو علم وعمل کی سہولت نظر آئی، اور خود کو دور اول کے علوم سے متصف ہونے اور عاجل پر آجل کے اختیار کرنے سے قاصر پایا، تو ان مذاہب کی موافقت کر بیٹھے۔

---

(٨٦) مصدر سابق ص ۷۱۔

(☆) مؤلف رحمہ اللہ نے امام اعظم کے مذکورہ ساتوں اقوال کے مصادر اپنی کتاب "الدین الخالص" جلد دوم، ص: ۲۳۰، ۴۲۲ میں ذکر کیے ہیں، جو شیخ فلانی کی کتاب "ایقاظ ہمم أولی الأبصار" سے منقول ہیں، جیسا کہ ہم نے ان اقوال کی تخریج میں اس کتاب کے صفحات کی نشاندہی کی ہے۔ (مترجم)

اس کا ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اہلحدیث اور اصحاب مذاہب متبوعہ کی کتب مدونہ ضائع ہوگئیں، ﴿وكان أمر الله قدرا مقدورا﴾ (۸۷)(اللہ کا کام مقرر ٹھہر چکا ہے)

بایں ہمہ تقلید رجال کے فتنہ سے پہلے امام عالی مقام سے ان جیسے اقوال کا صادر ہونا ان کی کرامات برکت آیات میں سے ایک کرامت ہے، اللہ تعالی ان سے راضی ہو، ہماری اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، جس طرح امام اعظم نے اس باب میں مبالغہ اور شدت اختیار کی ہے، اسی طرح باقی تینوں ائمہ نے بھی اپنی اور دوسروں کی تقلید سے ڈرایا اور منع کیا ہے، ان لوگوں کے اقوال کے چند نمونے بھی حق نگار قلم کے حوالے کئے جارہے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ تقلید اصطلاحی تنہا امام اعظم کے نزدیک ممنوع وحرام نہیں ہے، بلکہ دوسرے تینوں امام بھی اپنے متقدمین کی اقتدا کرتے ہوئے اس امام عالی مقام کے ہم زبان ہیں، كأنهم شقائق النعمان فى هذا البيان۔

اقوال امام مالک

قول اول: امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے:

"انما أنا بشر أخطئ وأصيب، فانظروا فى رأيي، فكل ما وافق الكتاب والسنة فخذوه، وكل ما لم يوافق فاتركوه" (۸۸)(میں صرف ایک انسان ہوں، مجھ سے غلطی اور درستی دونوں ہوتی ہے، پس میری رائے میں غور کرلیا کرو، جو چیز کتاب وسنت کے موافق ہو اسے لے لو اور میری ہر وہ بات جو ان دونوں کے خلاف ہو اسے چھوڑ دو)

اس قول میں اس امر کی تصریح ہے کہ اسلام کی اصل اصول یہی دو چیزیں ہیں، قرآن اور حدیث، ان دونوں کے ساتھ تیسرا چوتھا کچھ نہیں، امام مالک نے انہیں دونوں کو معیار اجتہادات قرار دیا ہے، یہی اہل اتباع کا مذہب ہے، اور غلطی کو اپنی طرف منسوب کیا ہے، علم

(۸۷)سورۃ الاحزاب:۳۸۔ (۸۸) ایقاظ الھمم،ص:۷۲۔

اصول کا مقررہ قاعدہ یہی ہے کہ ہر مجتہد خطا بھی کرتا ہے، اور صواب بھی، اور صواب ایک مجتہد کے ساتھ ہوگا، سب کے ساتھ نہیں، امام مالک کا یہ کمال انصاف ہے کہ اظہار حق میں کوئی شرم نہیں کی، اور اپنا ذمہ تقلید کے بار گراں سے مبرا کیا، یہی تمام قدیم وجدید ائمہ کی شان ہے۔

امام مالک نے دوسری بار فرمایا:

"لیس کل ما قال رجل قولا فان کان له فضل یتبع علیه (۸۹) لقول الله تعالی ﴿فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه﴾ (۹۰) (کسی آدمی کا ہر قول لائق قبول نہیں ہے، اگر اس کو فضیلت حاصل ہے تو اللہ تعالی کے فرمان کے مطابق اس کی اتباع کی جائے گی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: میرے ان بندوں کو خوش خبری سنا دو جو بات کو سنتے ہیں، پھر جو بات بہتر ہوتی ہے اس کی پیروی کرتے ہیں)

اس قول میں تصریح ہے کہ اہل فضل کی ہر بات لائق پیروی نہیں ہے، اس پر آیت کو دلیل کے طور پر لائے ہیں، اور یہ دلیل احسن اقوال کی اتباع پر دال ہے، اور احسن قول وہی ہے جو موافق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہو، بس، یہ دلالت احسن طریقہ پر تقلید کا رد کرتی ہے، اس کے رد کی دلیلیں قرآن شریف میں بہت ہیں، ہم نے الدین الخالص میں تقریبا تیس آیتیں اس مدعا پر ذکر کی ہیں، ان میں سابق امتوں، گذشتہ مذہبوں، پرانی ملتوں اور قدیم شریعتوں کے کفار کی تقلیدی حکایتیں بیان کی گئی ہیں، اور کتاب دلیل الطالب میں مذکور ہے کہ یہ سنگین بیماری یہود بلکہ ہنود سے اس امت میں در آئی ہے، اور حدیث "لتتبعن سنن من قبلکم" الحدیث (۹۱) (تم لوگ پہلی امتوں کے طریقوں پر چلوگے) کا مصداق مشاہدہ میں آچکا ہے۔

قول دوم: امام مالک کا دوسرا قول یہ ہے:

"الزم ما قاله رسول الله ﷺ فی حجة الوداع (۹۲) "أمران

---

(۸۹) مصدر سابق ص:۸۶۔ (۹۰) سورۃ الزمر:۱۸۔

(۹۱) بخاری انبیاء:۳۴۵۶، مسلم علم:۲۰۵۴۔ (۹۲) ایقاظ الہمم ص ۹۹۔

تـركتهما فيكم لن تضلوا ما تمسكتم بهما، كتاب الله وسنة نبيه" (۹۳)
(رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں، جو ارشاد فرمایا ہے اس کو لازم پکڑو، جو یہ ہے، میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے)

کسی چیز کے امر کا مطلب اس کی ضد سے نہی ہوتا ہے، یہاں ہر دو امر کی نشان دہی فرمائی ہے، ایک قرآن، دوسرے حدیث، آپ ﷺ نے تیسرے چوتھے امر کا ذکر نہیں کیا ہے، کیونکہ بدعت عدم ذکر کے ذریعہ علاحدہ کر دی جاتی ہے۔

قول سوم: امام مالک کا تیسرا قول یہ ہے۔

ایک شخص نے امام مالک سے مسئلہ دریافت کیا، جواب دیا کہ آنحضرت ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے، اس نے کہا: آپ اپنی رائے بیان فرمائیے، امام صاحب نے یہ آیت پڑھی۔ (۹۴) ﴿فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم﴾ (۹۵) (جو لوگ رسول کا حکم نہیں مانتے ان کو ڈرنا چاہئے کہ ان پر کوئی مصیبت آن پڑے، یا ان کو دردناک عذاب پہنچے۔)

اس جواب میں دلیل سے رائے پر رد ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت سے ڈرایا گیا ہے، ساتھ ہی ان کو دنیا میں مصیبت اور آخرت میں درناک عذاب پہنچنے کی وعید ہے۔

شیخ فلانی نے کہا ہے کہ بعض بلاد مغرب پر فرنگی نصرانیوں کے غلبہ اور بلاد مشرق پر تاتاریوں کے مسلط ہونے کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ مذہبی فرقہ بندیوں، تعصب کی کثرت اور دین میں رائے کی تقلید عام ہوگئی ہے، "كل ذلك من اتباع الظن وما تهوى الأنفس، ولقد جاء هم من ربهم الهدى" انتهى۔ (یہ ساری آفتیں گمان ورائے اور خواہش نفس پر چلنے کی وجہ سے آئی ہیں، حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی

---

(۹۳) موطا کتاب الجامع، باب النہی عن القول فی القدر، حاکم ۱/۹۳، حسن۔
(۹۴) ایقاظ الہمم ص ۹۱۔ (۹۵) سورۃ النور: ۶۳۔

طرف سے ہدایت آ چکی ہے۔)

میں کہتا ہوں کہ ہندوستان کا سانحہ غدر جو ۱۲۷۳ھ میں دہلی میں واقع ہوا، اور ہندوستان کے اکثر شہروں و بستیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، وہ بھی گہری نظر سے دیکھنے پر اہل مذاہب کے انہیں بھونچالوں اور تہلکوں کا نتیجہ ہے، علامہ فلانی کے قول میں بلاد مغرب سے مراد اندلس اور اس کے مضافات ہیں، جن میں فرنگی عیسائیوں کے ہاتھوں مسلمانوں کے سروں پر بلائے عظیم ٹوٹ پڑی تھی، جیسا کہ اس مصیبت عظمیٰ کا مرثیہ ریحانۃ الالباء میں مذکور ہے، اور بلاد مشرق سے مراد حادثۂ بغداد ہے، جو چنگیز خاں کی اولاد کے ہاتھوں ظاہر و واقع ہوا، اس حادثہ میں اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا گیا، یہاں تک کہ اس کی بے کسی آج بھی روز افزوں ہے۔

حاصل یہ کہ علماء مالکیہ نے تقلید کے رد اور اتباع کے اثبات میں اپنے امام کی بہت سی نقول اپنی کتابوں میں ذکر کی ہیں، ابن عبدالبر کی کتاب العلم اس باب کی اکثر و بیشتر چیزوں کی جامع ہے۔

اقوال امام شافعی

قول اول: ایک شخص نے امام شافعی سے مسئلہ پوچھا، انہوں نے کہا: "یروی عن النبی ﷺ أنه قال كذا وكذا" (نبی ﷺ سے مروی ہے کہ آپ نے یہ یہ فرمایا ہے) سائل نے کہا: "أتقول بهذا؟" آپ بھی اسی کے قائل ہیں؟ امام صاحب لرز گئے، ان کا رنگ زرد ہو گیا اور کہا:

"ويحك أى أرض تقلني وأى سماء تظلني اذا رويت عن رسول الله ﷺ، ولم أقل به، نعم على الرأس والعين" (۹۶) (تم پر افسوس ہے، بھلا کون سی زمین میرا وجود برداشت کرے گی، اور کون سا آسمان مجھ پر سایہ فگن ہوگا، جب میں رسول اللہ ﷺ کی حدیث بیان کروں اور اس کو اختیار نہ کروں؟ ہاں ہاں حدیث رسول

(۹۶) ایقاظ الہمم ص ۱۰۰۔

میرے سر آنکھوں پر ہے)

یہ قول اس بات پر دلیل ہے کہ سلف صالح جب تک سنت سے دلیل نہیں پاتے اپنے اجتہاد اور رائے سے حکم نہیں کرتے اور سنت کی مخالفت پر غصہ کا اظہار کرتے تھے، اور ہرگز روایت پر رائے کو مقدم کرنے سے راضی نہیں ہوتے، اتباع کا مطلب یہی ہے، عرف میں اس کے خلاف کا نام تقلید رکھتے تھے۔

دوسرا قول: "ما من أحد الا وتذهب عليه سنة رسول الله ﷺ وتعزب عنه، فمهما قلت من قول أو أصلت من أصل فيه عن رسول الله ﷺ خلاف ما قلت، فالقول ما قال رسول الله ﷺ فقولوا بسنته ودعوا ما قلت" (۹۷) (ہر شخص کو یہ صورت پیش آتی ہے کہ وہ حدیث بھول جاتا ہے، اور اس سے پوشیدہ رہ جاتی ہے، پس جب بھی میں کوئی قول یا اصل بیان کروں، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے میرے قول کے خلاف بات مروی ہو تو اصل قول رسول ﷺ کا قول ہے، اسی کو تم اختیار کرو اور میرا قول چھوڑ دو)

امام شافعی نے یہ کلام بار بار فرمایا، جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ کوئی شخص تمام حدیثوں کا عالم نہیں ہے، چاہے امام ہو یا اور کوئی، قول مذکور اس بات پر دلیل ہے کہ اصول فقہ کی کوئی اصل ہو، یا فروع میں سے کوئی فرع ہو جب سنت مطہرہ کے خلاف پڑے تو وہاں قول رسول ہی معتبر ہے، اور ہر قائل کا قول جو اس کے خلاف پڑے، اس کو چھوڑ دینا چاہئے، ، اور اس کی تقلید نہیں کرنی چاہئے، ہر حال میں سنت کا قائل ہونا ضروری ہے، شارع کا تشریع سے یہی مقصود اور اتباع سے متبع کی مراد یہی ہے۔

تیسرا قول: "اذا وجدتم فی کتابی خلاف سنة رسول الله ﷺ فقولوا بسنته ودعوا ما قلت"۔ (۹۸) (جب تم میری کتاب میں سنت رسول کے خلاف کوئی بات پاؤ تو سنت رسول ہی کو لو، اور میرے قول کو چھوڑ دو)

---

(۹۷)، (۹۸) مصدر سابق۔

اس قول میں امام شافعی نے اپنے قول کو خلاف سنت ہونے کے وقت ترک کرنے کی تصریح فرمائی ہے، یہی عاملین حدیث میں سے غیر مقلدوں کا قول ہے کہ جس کتاب میں بھی چاہے وہ امام شافعی کی ہو یا دوسرے امام کی، جو چیز خلاف سنت ثابت ہو جائے وہ چھوڑ دینے کے لائق ہے، اور سنت پر کاربند ہونا واجب ہے، لیکن مقلدین نے اپنے ائمہ کے اس قول کے خلاف راستہ اختیار کیا ہے، یہ لوگ جو کچھ ان کی کتاب میں پاتے ہیں اس کو دانت سے پکڑ لیتے ہیں، اور اس لکھی ہوئی ہدایت کے خلاف سنت کی تاویل کرتے ہیں، یہ عکس قضیہ ہے، کیونکہ طے شدہ یہ ہے کہ ہر زمانے میں تا قیامت اجتہاد سے معلوم کئے گئے مسائل کو کتاب وسنت پر پیش کرنا متعین ہے، اور یہ مقلدین کتاب وسنت کو مجتہدات پر پیش کرتے ہیں، فأين هذا من ذاك ؎

ترسم کہ نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بترکستان ست

(اے دیہاتی! مجھے ڈر ہے کہ تم کعبہ نہیں پہنچ پاؤ گے، کیونکہ جس راستے پر تم چل رہے ہو وہ ترکستان کی طرف جا رہا ہے)

چوتھا قول: "أقاويل أصحاب رسول الله ﷺ اذا تفرقوا فيها نصير منها الى ما وافق الكتاب والسنة" (۹۹) (رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے اقوال جب مختلف ہوں تو ہم اس قول کی طرف رجوع کریں گے جو کتاب وسنت کے موافق ہو)

یہ قول اس بات پر دلیل ہے کہ کسی شخص کا قول حجت نہیں ہے، چاہے قائل صحابی کیوں نہ ہوں، اصل قول وہ قول ہے جو قرآن وحدیث سے موافقت رکھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کے سوا کوئی معصوم نہیں ہے، صحابہ وتابعین اور تبع تابعین میں رائے واجتہاد کا حکم ایام دنیا کے آخری یوم تک ایک ہے، تمام لوگ کتاب وسنت کے مکلّف اور مجتہدات وآراء کو انہیں دونوں اصل اصیل پر پیش کرنے کے محتاج ہیں۔

(۹۹) مصدر سابق ص ۱۰۱۔

پانچواں قول: "ما کان الکتاب والسنۃ موجودین فالعذر علی من سمعھما مقطوع الا اتباعھا" (۱۰۰) (کتاب وسنت جب تک موجود ہیں تو جس نے بھی ان دونوں کو سنا جانا اس کو ان دونوں کی اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، اور نہ کوئی عذر اس بارے میں لائق سماعت ہے)

ذرا معلوم کرو اس عبارت سے زیادہ صریح ترین عبارت کیا ہوگی؟ یہ امام شافعی نے اس لئے کہی ہے کہ ان کے عہد سعادت مہد میں علم حدیث لوگوں میں زبانی طور پر منتشر تھا، اس کی تدوین نہیں ہوئی تھی، منتشر حدیثیں جمع نہیں ہوئی تھیں، ناچار اس باب میں علم سنت نہ ہونے کے وقت اجتہاد سے کام چلتا تھا، لیکن اس کے بعد حدیثوں کے دفتر تیار ہوئے، اور منتشر حدیثیں مجموعوں کی شکل اختیار کر گئیں، ان مسائل اجتہادیہ کو حدیث پر پیش کرنے کا کاروبار بہت آسان ہوگیا، اب ان دو روشن حجت اور برہان کے باوجود اگر کوئی رائے، قیاس اور اجتہاد پر عمل کرے تو اس کا عذر عذر لنگ ہوگا، بلکہ خود وہ عذر ہی مقطوع ومردود ہے، اور اس کے لئے سوائے اتباع کتاب وسنت کوئی راستہ نہیں ہے، الحمد للہ یہ کام جماعت اہلحدیث کے ہاتھ سے قدیما وحدیثا جس طرح ہونا چاہئے مقام ظہور پر خوش رفتاری سے چل پڑا ہے، اور مقلدین اس سعادت کے حصول سے محروم پڑے ہوئے ہیں، صحاح ستہ اور دوسرے مجموعہائے سنن، معاجم اخبار اور مسانید احادیث کے موجودہ ہوتے ہوئے حدیث کی اتباع نہیں کرتے ہیں، اور وہی تقلید کا شوربا عقل کے پیالوں میں رکھتے ہیں ۔

مقلد تا خراب بادۂ آراء پرستی شد

بکوئے آشنایان سنن بیگانہ می آید

(مقلد جب آراپرستی کی شراب میں مست ہوگیا تو علماء حدیث کے کوچہ میں اجنبی سا آتا ہے)

چھٹواں قول: قول مذکور کا مؤید امام موصوف کا ایک اور قول ہے:

" لا یصار الی شئ غیر الکتاب والسنۃ، وھما موجودان، وانما

---

(۱۰۰) مصدر سابق ص ۱۰۱۔

یؤخذ العلم من الأعلی"۔ (۱۰۱) (کتاب وسنت کے موجود ہوتے ہوئے کسی دوسری چیز کی طرف رجوع نہیں کیا جائے گا، اور علم کو اعلی ہی سے لیا جاتا ہے۔)

یہ عبارت بلند آواز سے پکار رہی ہے کہ غیر قرآن وحدیث کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اگر چہ اجماع وقیاس ہی کیوں نہ ہو، یہ اس بات پر دلیل ہے کہ سلف انہیں دو حجتوں کو اصول دین جانتے تھے، یہی بات لائق قبول اور حق ہے، جو لوگ چار اصول کے قائل ہیں، ان کے نزدیک بھی اجماع وقیاس کا شمار اکثر حرف ''ثم'' کے ساتھ لکھا جاتا ہے، جو رتبہ کی بعدیت اور تراخی پر دلالت کرتا ہے، مثلا لکھتے ہیں: "أصول الدین أربعة، الکتاب والسنة، ثم الاجماع، ثم القیاس" اس طریقے سے لکھ کر ان دونوں کے اور ان کے مابعد کے درمیان فرق کرتے ہیں۔

اجماع کو قبول کرنا اجماعی مسئلہ نہیں ہے کہ اس کی حجیت کا قائل شخص اس سے استدلال کے لئے کھڑا ہو سکے، کیونکہ امام احمد جو دوسرے یعنی تینوں اماموں کے ہم رتبہ ہیں، بلکہ تمام اہل سنت وجماعت کے امام اور حدیث رسول کے ان سب سے بہت بڑے عالم ہیں، انہوں نے اجماع کا انکار کیا ہے، اجماع میں معتبر چیز امت کے ائمہ مجتہدین کا اتفاق ہے، ان لوگوں کے اجماع کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو نقالی، لغو کلامی، غلو وتحریف کرنے والے، تاویل کرنے والے جاہل لوگ ہیں، امام شافعی کا کلام مذکور نفی کی صورت میں دو اصل یعنی کتاب وسنت کے علاوہ کی طرف رجوع کرنے سے نہی پر دلالت کرتا ہے، اور نہی میں اصل تحریم ہے، معانی وبیان کے قاعدے کے مطابق نہی کو نفی کی صورت میں ذکر کرنا بہت بلیغ ہوتا ہے۔

ساتواں قول: " اذا قال الرجلان فی شیٔ قولین مختلفین نظرت، فان کان قول أحدهما أشبه بکتاب الله أو أشبه بسنة رسول الله ﷺ أخذت به، لأن معه شیئا یقوی بمثله، ولیس مع الذی یخالفه مثله"۔ (۱۰۲) (جب دو شخص کسی چیز کے بارے میں دو مختلف باتیں کہیں تو میں ان میں غور کروں گا، اگر ان دونوں میں

---

(۱۰۱) مصدر سابق۔ (۱۰۲) مصدر سابق۔

سے ایک کا قول کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ کے زیادہ مشابہ اور قریب تر ہوگا اسے لے لوں گا، کیونکہ اس کے ساتھ ایسی چیز ہے جس کے مثل سے وہ قول قوی ہو جاتا ہے، اور مخالف قول کے ساتھ ایسی کوئی چیز نہیں ہے)

یہ قول سب سے عظیم قائل کے قول کے موافق ہے جسے خیر الکتب (قرآن) میں نازل فرمایا ہے، جو اس طرح ہے: ﴿فبشر عباد الذین یستمعون القول فیتبعون أحسنه﴾ (۱۰۳)

اس آیت کریمہ کے آخر میں احسن قول کی اتباع کرنے والے بندوں کو أولوا الألباب (عقل مند لوگ) کی سند دی گئی ہے، جو اس بات پر دلیل ہے کہ احسن اقوال کا متبع دانش مند ہے، اور آراء رجال کا مقلد دانش مندوں میں سے نہیں ہے، اور اس کا اقتضاء یہ ہے کہ تمام عاملین حدیث اور متبعین سنت خواہ قدیم ہوں یا جدید سب عقل مند ہیں، ان کے برخلاف تارکین سنت اور پیروان علماء و مشائخ بے وقوف لوگ ہیں، جو رجال امت اور بندگان ملت کے قول کو اللہ اور رسول کے قول پر ترجیح دیتے ہیں، اور اس کو کمال عقل و دانش تصور کرتے ہیں، حالانکہ عقل صحیح اور قلب سلیم کے مرتبہ سے کوسوں دور پڑے ہیں، ان لوگوں کی بے عقلی خود قرآن کے بیان اور رد تقلید کی آیات سے قرآن پڑھنے والوں پر آفتاب نیم روز اور چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہے، اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن جس شخص پر اس کی بے عقلی روشن نہیں ہے وہ جتنا بھی قرآن پڑھے وہ قرآن خواں نہیں ہے، بلکہ قرآن کا مخالف اور سید الانس والجن کی زبان پر ملعون ہے، اس میں جھگڑا کرنا حرام ہے۔

آٹھواں قول: امام شافعی نے امام احمد سے فرمایا:

"وأنتم أعلم بالحديث والرجال مني، فاذا كان الحديث الصحيح عندكم فاعلموني به، أي شئ يكون كوفيا أو بصريا، أو شاميا حتى أذهب اليه" (۱۰۴)

---

(۱۰۳) اس کی تخریج مع ترجمہ حاشیہ نمبر ۷۹ میں گذر چکی ہے۔ (۱۰۴) مصدر سابق ص ۱۰۲۔

(آپ حدیث اور رجال کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، جب آپ کے پاس صحیح حدیث ہوتو مجھے بتائیں تاکہ میں اس کو اپنا مذہب بناؤں، چاہے وہ حدیث کوفی یا بصری یا شامی ہو)

امام شافعی کا یہ قول انتہائی انصاف سے متصف ہے، کیونکہ وہ استاذ ہیں، اور امام احمد بن حنبل ان کے شاگرد ہیں، لیکن جب ان کو معلوم ہوا کہ شاگرد، شیخ سے حدیث کا زیادہ جانکار ہے، اور دین میں حدیث پر عمل ہوتا ہے، اس کے ماسوا پر نہیں، تو ان کو حدیث سے باخبر کرنے کا حکم دیا، چاہے حدیث جس جگہ کے راوی کی ہو، کیونکہ رواۃ حدیث سے روایت قبول کرنا رواۃ کی تقلید نہیں ہے، بلکہ سنت اور رسول رحمت کے اسوہ حسنہ کی اتباع ہے، گو وہ حدیث مفضول سے فاضل کو اور مخدوم سے خادم کو کیوں نہ پہنچے، یہی بات امام بیہقی نے بھی کہی ہے، اسی لئے علماء حجاز، شام، یمن اور عراق کی ایک جماعت نے اس قول کو اختیار کیا ہے، اور رسول اللہ ﷺ سے جو چیز صحت کے درجہ کو پہنچی ہے، اس کو بلا لحاظ اور بغیر تردد پکڑ لیا ہے، حق کے واضح اور حجت کے ظاہر ہونے کے وقت اہل زمانہ مٹھو میاں کے مذہب کی طرف ذرا بھی میلان نہیں کیا ہے۔

نواں قول: "متى رويت عن رسول الله ﷺ حديثا صحيحا فلم آخذ به ، فأشهدكم أن عقلي قد ذهب" (۱۰۵) (جب میں رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث روایت کروں پھر اس کو نہ لوں تو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میری عقل چلی گئی ہے) یہ کہتے ہوئے سب کے سامنے اپنے سر کی طرف اشارہ کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کوئی لا یعقل بھی یہ کام نہیں کرے گا کہ کسی مسئلہ میں ایک طرف رسول اللہ ﷺ کا قول صحت کو پہنچا ہوا ہو، دوسری طرف آپ کے غیر کا قول ہو، اور وہ شخص غیر کا قول سنے اور حدیث سے چشم پوشی کرے، پھر بھلا جو شخص زیور عقل سے آراستہ اور لباس تقوی سے پیراستہ ہے ایسی جرأت کب کرے گا؟ اس کے باوجود قول غیر کا قائل اپنے کو مسلمان اور رسول انس وجن کی امت میں شمار کرتا ہے، ایسے شخص کو اس سے کہیں

(۱۰۵) مصدر سابق ص ۱۰۳۔

زیادہ بہتر ایمان کی فکر کرنی اور اللہ و رسول سے شرم و حیا رکھنی چاہئے ۔

باسگِ طیبہ بہم بودن وفرزانہ شدن

برتو اے زائر دیوانہ مبارک باشد

(مدینہ شریفہ کے کتے کے ساتھ رہنا اور عقل مند ہونا، اے مدینۃ الرسول کی زیارت کرنے والے دیوانے تجھے یہ دیوانگی مبارک ہو)

دسواں قول: قول مذکور کا مؤید امام شافعی کا ایک دوسرا قول بھی ہے:

"أجمع الناس على أن من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم يكن له أن يدعها لقول أحد" (۱۰۶) (لوگوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص پر سنت رسول واضح ہو جائے، اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ کسی کے قول کی وجہ سے اس سنت کو چھوڑ دے)

اس مقولے کے مفہوم کا اطلاق اور عموم وشمول قابل غور ہے کہ اجماع کو ناس کی طرف منسوب کیا ہے، جو اعم الاعم ہے، اور لفظ "أحد" اختیار کیا ہے، جس میں صحابہ سے لے کر آخر امت تک کے تمام لوگ داخل ہیں، اور اس کے لئے لفظ اجماع استعمال کیا ہے۔

مقلدین جو اجماع کی حجیت کے قائل ہیں ان پر یہ قول حجت قاطعہ ہے، اور متبعین اپنے لئے اتباع کا راستہ اختیار کرنے میں اجماع کے محتاج نہیں ہیں، کوئی اجماع کرے یا نہ کرے، یہ لوگ قرآن وحدیث کی اتباع کو فرض جانتے ہیں، اور کتاب وسنت کے مخالف اجماع کے منکر ہیں، ائمہ اور ان کے ماننے والوں میں سے کسی ایک کی تقلید چاہے مقلدین کے نزدیک اجماعی ہو یا مردود، اس کو ائمہ حرام اور بدعت شمار کرتے ہیں ۔

دعوا كل قول عند قول محمد

فما آمن في دينه كمخاطر

ودع عنك نهبا صحيح في حجراته

وهات حديثا ما حديث الرواحل

---

(۱۰۶) مصدر سابق ص ۱۰۳۔

(محمد ﷺ کا قول ہوتے ہوئے ہر قول چھوڑ دو، کیونکہ ادھر ادھر خیال دوڑانے والا اپنے دین کا تابعدار نہیں ہوتا، مکان کے کمروں میں جو شور وغل ہوتا ہے اسے چھوڑ و، اور میدان کے شہ سواروں جیسی کوئی بات کرو)

اس باب میں امام شافعی کے اقوال بہت ہیں، ان میں سے تھوڑا سا الدین الخالص میں ذکر کیا گیا ہے، اور منقول عنہ کا حوالہ بھی ہے۔

اقوال امام احمد

امام احمد رحمہ اللہ علی الاطلاق ائمہ سنت کے امام اور جماعت صلحاء کے قدوہ ہیں، اس باب میں ان کے اقوال نقل کرنا فضول دکھائی دیتا ہے، کیونکہ ان کے اصول میں سے ایک بنیادی اصل قرآن وحدیث کو تمام قسم کے اجماع پر مقدم رکھنا ہے، باقی قیاس وغیرہ تو بہت دور کی بات ہے، مصطلح فقہ میں ان کی کوئی کتاب ہرگز معروف ومدون نہیں ہے، ان کی فقہ کی آخری حد عمل بالحدیث تک پہنچ کر رہ جاتی ہے، جیسا کہ تذکرہ نگاروں کے حوالے سے اتحاف النبلاء اور ابجد العلوم وغیرہما میں لکھے گئے ان کے ترجمہ شریفہ سے واضح ہے، لیکن بحکم ما لا يدرك كله لا يترك كله کل نہیں تو تھوڑا ہی سہی بیان کیا جاتا ہے۔

قول اول:

" قال أبوداود: قلت لأحمد: الأوزاعي هو أتبع أم مالك ؟ قال: لا تقلد دينك أحدا من هؤلاء، ما جاء عن النبي ﷺ وأصحابه فخذ به ثم التابعين وبعد، فالرجل فيهم مخير". (١٠٧)

(ابوداود نے امام احمد سے دریافت کیا کہ اوزاعی اور مالک میں سے کون زیادہ لائق اتباع ہیں؟ امام احمد نے فرمایا اپنے دین کو ان میں سے کسی کا مقلد نہ بناؤ، نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب سے جو چیز وارد ہوا سے پکڑلو، پھر تابعین سے اور تبع تابعین وغیرہم سے مرویات میں آدمی کو اختیار رہے)

(١٠٧) مصدر سابق ص ١١٣۔

یہاں پر امام احمد نے قوم کی اصطلاح کے لحاظ سے لفظ ''تقلید'' کو استعمال کیا ہے، ورنہ وہ تو تقلید کو جانتے نہیں ہیں، انہوں نے اخذ قول کو تین قسموں میں منحصر اس بنا پر کیا ہے کہ یہ تینوں قسمیں حدیث خیر القرون کے مطابق ہیں، اور صحابہ و تابعین کا سنت مطہرہ کی اتباع کرنا تمام امت کو معلوم ہے، پس ان لوگوں سے اخذ کتاب وسنت کا اخذ ہوگا، کسی دوسری چیز کا نہیں، اس لئے کہ ان حضرات کے بابرکت زمانے میں ان تقلیدات کا رواج نہیں تھا، ہزاروں مفتیان فتوی دیا کرتے تھے، ہر شہر اور دیہات میں کوئی عالم موجود ہوتا تھا، جس کی طرف مسائل دریافت کرنے اور احکام شرائع سیکھنے کے لئے لوگ رجوع کرتے تھے، اور فتوی دریافت کرنے کے لئے ایک مفتی یا عالم کے ساتھ مقید نہیں تھے، جیسا کہ اعلام اور جُنہ میں منقح ہو چکا ہے۔

استفتاء کے لئے کسی ایک عالم کی تقیید و تخصیص تقلید کا ثمرہ ہے، اور تقلید کو اس زمانے میں کوئی جانتا پہچانتا نہیں تھا کہ وہ کس کھیت کی مولی ہے، اور کیا نام ونشان رکھتی ہے؟ بلکہ ایک شخص دوسرے سے اس کی رائے دریافت کرتا تو دوسرا اس پر غصہ ہوتا اور سخت نفرت کرتا تھا، بہرحال اہل قبول و اقبال کے اس امام نے عبارت مذکورہ میں تقلید سے نہی کی تصریح فرمائی ہے، ابن قیم کہتے ہیں:

"لم يؤلف أحمد كتابا في الفقه، وانما دون أصحابه مذهبه من أقواله وأفعاله وأجوبته وغير ذلك". (۱۰۸) (امام احمد نے فقہ میں کوئی کتاب تالیف نہیں کی ہے، بلکہ ان کے اصحاب نے ان کے اقوال، افعال اور جوابات وغیرہ سے ان کا مذہب مدون کیا ہے)

قول دوم:

"لا تقلدني ولا تقلد مالكا ولا الشافعي ولا الأوزاعي ولا الثوري، وخذ من حيث أخذوا" (۱۰۹) (میری تقلید نہ کرو، اسی طرح مالک، شافعی، اوزاعی

(۱۰۸) مصدر سابق۔ (۱۰۹) مصدر سابق۔

اور ثوری کی تقلید بھی نہ کرو، دین کی باتیں وہاں سے لو جہاں سے ان لوگوں نے لیا ہے۔)

اوزاعی اور ثوری کا نام اس وجہ سے لیا ہے کہ یہ دونوں بھی اس زمانے میں امام ابوحنیفہ اور شافعی وغیرہ کی طرح مذاہب متبوعہ والے تھے، مقلدوں نے ان چار اماموں میں مذہب کو جو منحصر کیا ہے اس کی اصل پائی نہیں جاتی ہے، اور نہ کوئی دلیل اس پر دلالت کرتی ہے، بلکہ ان دونوں اماموں ، اور ان کے ہم مثلوں کے بعد ایک دوسری جماعت بھی متبوع المذاہب رہی ہے، جیسے ابن خزیمہ جو امام الائمۃ لقب رکھتے تھے، یہ لفظ ثناء و تعریف میں لفظ امام اعظم سے بہت عظیم ہے، اسی طرح ابن جریر وغیرہ ہیں، التاج المکلل میں ایک جماعت کثیرہ کو عدم تقلید اور اجتہاد کامل مطلق کے مرتبہ کو پہنچنے کے عنوان سے بیان کیا ہے، ان میں سے بیشتر ائمہ مجتہدین کی بنسبت علوم کے زیادہ جامع تھے، اور اصول فقہ میں اجتہاد کی جتنی شرطیں لکھی ہیں ان سے کہیں زیادہ ان کو حاصل تھیں، پس چار اماموں میں اجتہاد اور تقلید کو منحصر کرنا انصاف کا خون کرنا اور چہرے سے شرم وحیا کی چادر نوچ پھینکنا ہے۔

قول سوم:

"من قلة فقه الرجل أن يقلد دينه الرجال" (۱۱۰) (انسان کی یہ ناسمجھی ہے کہ اپنے دین کو رجال کا مقلد بنائے)

لغت میں فقہ کا معنی ہے سمجھنا، جاننا، امام صاحب نے اس قول میں مقلد کو بے فہم قرار دیا ہے، اور نافہمی جہالت ہے، اسی وجہ سے عبدالبر وغیرہ نے مقلدین کو ہر چند کہ وہ اپنے کو عالم ظاہر کریں، یا دوسرے ان کے بارے میں علم وفضل کا اعتقاد رکھیں، اہل علم کے زمرہ سے خارج رکھا ہے، جیسا کہ شیخ فلانی نے ایقاظ الہمم میں اس کی تصریح کی ہے۔

یہی جہالت اس فرقہ کے لئے باہم عداوت کا سبب اور متبعین سنت وخبر پر انکار کا باعث ہوئی ہے، ورنہ دراصل یہ دونوں گروہ ایک آقا کے کئی غلام ہیں، ان کے افتراق، شقاق، نفاق اور اختلاق کی کوئی صحیح وجہ موجود نہیں ہے، شیخ ابومرہ نے ان کی ان حرکتوں اور عجیب وغریب

(۱۱۰) مصدر سابق۔

چیزوں کو بیان کیا ہے، اور راہ نجات سے ہلاکت کے نچلے گڈھے میں پہنچا دیا ہے، فاناللہ۔

منع اجماع:

حافظ ابن قیم کہتے ہیں:

"کذب أحمد من ادعی الاجماع ولم یسغ من تقدیمه علی الحدیث الثابت، وکذلك نص الشافعی أیضا فی رسالته الجدیدة علی أن ما لا یعلم فیه الخلاف لا یقال له اجماع، قال وقال أحمد ما یدعی فیه الرجل الاجماع فهو کذب ومن ادعی الاجماع فهوکاذب، لعل الناس اختلفوا ما یدریه ولم ینته الیه، فلیقل لا نعلم الناس اختلفوا ولم یبلغنی ذلك، هذا لفظه"۔ (١١١)

(امام احمد نے اس شخص کو کاذب کہا ہے جو اجماع کا دعوی کرے اور ثابت حدیث پر اس کو مقدم کرنے کو ناجائز کہا ہے، اسی طرح امام شافعی نے بھی اپنے نئے رسالہ میں تصریح کی ہے کہ جس مسئلہ میں اختلاف معلوم نہ ہو تو اس کو اجماع نہیں کہا جائے گا، امام احمد کا قول ہے کہ کسی مسئلہ میں کسی کا یہ دعوی کرنا کہ اس پر اجماع ہے، یہ بالکل غلط اور جھوٹ ہے، اور اجماع کا دعوی کرنے والا جھوٹا ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہو اور اسے اس کا علم نہ ہو یا اس تک خبر نہ پہنچی ہو، اس لئے اس کو یوں کہنا چاہئے کہ ہمیں نہیں معلوم کہ لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے، اور نہ ہمیں اس کی خبر ہوسکی ہے، یہ ہیں ان کے الفاظ)

غرض کہ چاروں اماموں میں سے ان ہر دو امام عالی مقام نے اجماع کے انکار اور حدیث پر اس کی تقدیم کے انکار کی پوری صراحت کی ہے، پس اجماع سے استدلال متفق علیہ نہیں ہوا، وللہ الحمد۔ اسی لئے علامہ شوکانی نے وابل الغمام میں فرمایا ہے کہ اجماع کی اکثر حکایات خرافات ہیں، انتہی۔

یہ مولوی وملا جن کی عمر فقہ کذائی کی تعلیم و تعلم میں بسر ہوتی ہے، جو کچھ اپنی کتابوں میں

(١١١) اعلام الموقعین ١/٣٠۔

جو پرانے کلنڈر کا حکم رکھتی ہیں، موجود پاتے ہیں، ان تمام کو اہل اسلام اور تمام علماء و اعلام سابقین و حاضرین بلکہ لاحقین کا مجمع علیہ شمار کرتے ہیں، اور اپنے مخالف کو اجماع کا جاحد اور اتفاق کا منکر کہتے ہیں، اور اس بات کا حکم کرتے ہیں کہ اجماع کا منکر کافر ہے، حالانکہ دلائل مقبولہ میں سے کوئی دلیل اس مدعا پر ہاتھ میں نہیں رکھتے ہیں، اور ان کے نزدیک زید و عمر کی چبائی ہوئی اور خالد و بکر کی چوسی ہوئی عظمت گویا آیات بینات اور سنن مطہرہ سید کائنات کی عظمت سے بلند و بالا ہے، ونعوذ بالله من الخذلان۔

حافظ ابن قیم نے امام احمد کے ذکر میں مزید لکھا ہے:

"نصوص رسول الله ﷺ عنده وعند سائر أئمة الحديث أجل من أن يقدم عليها توهم اجماع مضمون عدم العلم بالمخالف، ولو ساغ لتعطلت النصوص وساغ لكل من لم يعلم مخالفا فى حكم مسئلة أن يقدم جهله بالمخالف على النصوص، فهذا هو الذى أنكره أحمد والشافعى من دعوى الاجماع، لا ما يظنه الناس أنه استبعد وجوده" انتهى۔ (۱۱۲)

(امام احمد اور تمام ائمہ حدیث کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس سے بہت عظیم اور بزرگ تر ہیں کہ ان پر موہوم اجماع کو مقدم کیا جائے، جس کا خلاصہ مضمون مخالف کا علم نہ ہونا ہے، اگر اس کو جائز مان لیا جائے تو قرآن و حدیث کی نصوص بے کار ہو جائیں گی، اور جسے بھی کسی مسئلہ کے حکم میں کسی مخالف قول کا علم نہ ہوگا وہ اپنی اس جہالت کو اجماع کا رنگ دے کر اللہ اور رسول کی نصوص پر مقدم کر دے گا، پس یہی وہ اجماع ہے جس کے دعوی کا امام احمد اور شافعی نے انکار کیا ہے، نہ یہ کہ وہ وجود اجماع کو ہی محال سمجھتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے)

یعنی اجماع کا وجود اور امکان عقل میں' مستبعد نہیں ہے، لیکن اس کا علم حاصل ہونا

(۱۱۲) مصدر سابق۔

خارج میں کئی وجوہ سے مستبعد ہے، جو ارشاد الفحول اور حصول المامول میں مذکور ہیں، اگر اجماع پایا بھی جائے تو کتاب وسنت سے سند کا محتاج ہوگا، کیونکہ اجماع اور قیاس کو ایام زمانہ کے کسی دن بھی کتاب وسنت سے بے نیازی نہیں رہی ہے، اور یہ بات خود بھی محال ہے کہ امت ان دونوں حجت قاطعہ کے خلاف پر اجماع کرے۔

ہر اجماعی مسئلہ جس کے ساتھ اہل رائے اور ارباب تقلید وابستگی رکھتے ہیں، اگر کسی آیت یا کسی حدیث کے خلاف پایا جائے اور حجت نیرہ کے معارض پڑے تو یہ اس بات پر روشن دلیل ہے کہ اجماع مذکور صحیح نہیں ہے، کیونکہ ہر چند ان ہر دو اصل اصیل سے دلیل کا فوت ہونا تمام امت کے حق میں محال عقلی نہیں ہے، لیکن خیال سے دور اور واقع ومثال سے بعید تر ہے، اور جب نص یا خبر کا اکثر مخفی رہنا لائق قبول نہیں ہے، تو اس کے خلاف پر اجماع امت کیسا؟

بالخصوص جب اس باب میں اہل سنت کی کتابوں وصحیفوں کے اندر بہت سی آیات قرآن یا احادیث رسول موجود، مکتوب، مقروء، محفوظ اور متصل مرفوع یا مستند مقطوع ہیں، تو اس صورت میں ان مسائل کے بارے میں اجماع کا دعوی اس بنا پر کیا جائے کہ فقہ کذائی کے دفاتر میں ان احکام پر اجماع کی کہانی موجود ہے، اور اس کے مقابل میں صحیحین وغیرہما کی حدیث متروک وغیر مقصود ہے، یہ ایسی بلاء وآفت ہے کہ اگر آسمان ٹوٹ پڑے، زمین پھٹ جائے اور ستارے بکھر جائیں، تو کوئی بعید بات نہیں ہوگی، وہ کون سا عالم یا امام یا مقتدی یا ماموم ہے جو اپنی رائے اور اجتہاد میں خطا سے اور سابقہ عذروں اور متقدم وجوہ کے وجود یا عدم کی بنا پر مخالفت حدیث کی غلطی سے معصوم رہا ہے۔

شیخ فلّانی نے لکھا ہے:

"ان السلف کلھم علی ذم الرأی والقیاس المخالف للکتاب والسنة، انه لا یحل العمل به لا فتیا ولا قضاء، قال: وقد جمع ابن دقیق العید المسائل التی خالف مذھب کل واحد من الأئمة الأربعة فیھا الحدیث

الصحيح انفرادا واجتماعا في مجلد ضخيم، وذكر في أوله أن نسبة هذه المسائل الى الأئمة المجتهدين حرام، وأنه يجب على الفقهاء المقلدين لهم معرفتهما لئلا يعزوها اليهم، فيكذبوا عليهم، هكذا نقله عنه تلميذه الأوفوى، نقلته من تذكرة الشيخ عيسى الجزائري" انتهى۔ (۱۱۳)

(تمام سلف ایسی رائے اور قیاس کی مذمت پر متفق ہیں جو کتاب وسنت کے مخالف ہیں، اس پر فتوی اور قضاء میں کسی طور پر عمل کرنا جائز نہیں ہے، ابن دقیق العید نے ایک ضخیم مجلد میں ان تمام مسائل کو جمع کر دیا ہے جن میں ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کے مذہب نے انفرادی اور اجتماعی طور پر صحیح حدیث کی مخالفت کی ہے، شروع کتاب میں یہ بات ذکر کی ہے کہ ان مسائل کی نسبت ائمہ مجتہدین کی طرف کرنی حرام ہے، اور ان کے مقلدین فقہاء پر ان مسائل کی نسبت وغیرہ کو جاننا واجب ہے، تا کہ ان کو ائمہ کی طرف منسوب کر کے ان کے حق میں جھوٹ بولنے کے مجرم نہ ٹھہریں، اس کلام کو ابن دقیق العید کے شاگرد اوفوی نے ان سے نقل کیا ہے، میں نے اس کو تذکرۃ الشیخ عیسی الجزائری سے نقل کیا ہے)

میں کہتا ہوں اگر یہ کتاب اس زمانے میں میسر ہو جائے تو امید ہے کہ چاروں مذاہب کے مقلدوں کی کمر توڑنے کے لئے کافی ہوگی، لیکن اگر دستیاب نہ ہو تو کوئی غم نہیں، کیونکہ نیل الاوطار اور سیل الجرار، مسک الختام، تراجم بلوغ المرام، وشروح درر بھیہ اور ان جیسی کتابیں اس دستی رومال والے زمانے میں میں اہل علم وکمال کے درمیان غالب ومتداول ہیں، اور طبقۂ جہال سے دور ہیں، اس مقالہ کے حصول اور ان مواد کی دستیابی کے لئے یہ علمی سرمایہ سفروں میں کتابوں کا بنڈل ڈھونے اور شہر شہر، گاؤں گاؤں میں فقہ حدیث اور اصول حدیث کی تلاش وجستجو سے بے نیاز کرنے کے لئے کافی ہے۔

جب ثابت ہو گیا کہ ائمہ اربعہ نے تقلید کا انکار کیا ہے، اور بعض احادیث پر عمل نہ

---

(۱۱۳) عبارت مذکورہ مدرج ہے، اس کا اول "لا فتيا ولا قضاء" تک کتاب ایقاظ الہمم میں ص ۱۱۹ سے منقول ہے، اور "وقد جمع ابن دقيق العيد" سے تا آخر ص ۹۹ سے نقل کیا گیا ہے۔ (مترجم)

کرنے میں وہ معذور تھے، جس کے بہت سے اسباب واعذار پہلے بیان ہو چکے ہیں، مزید یہ کہ ائمہ کرام قرون مشہود لہا بالخیر کے لوگوں میں سے ہیں، اوران قرون کی خیریت رسول ﷺ کی حدیث صریح سے ثابت ہے، دوسرے یہ کہ آں حضرت ﷺ نے علی الاطلاق مسلمانوں کی شان میں برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے، اوراس پر وعید بھی بیان فرمائی ہے، کسی کولعن طعن کرنا اور مذمت وہجو کرنی جو فرقہ شیعہ کا قبیح شیوہ ہے، اس سے بھی سخت ممانعت کی ہے۔

جو مسلمان اپنے کو اللہ کا بندہ اور رسول اللہ ﷺ کی امت کہتا ہے، اورشہادت کا کلمہ طیبہ زبان پر رکھتا ہے، ہر چند کہ جاہل اور عام لوگوں میں شمار ہوتا ہے، وہ ہرگز ان بزرگ نیکوکاروں کے احوال کا استخفاف اوران کی سبکی نہیں کرے گا، پھر علماء مسلمین خاص کر متبعین محدثین کی شان میں وہ بے ادبی کی جرأت کس طرح کرسکتا ہے؟ جبکہ یہی حضرات ان احادیث کے راوی ہیں جن میں سب وشتم، لعن طعن، مذمت وغیبت سے منع اورآبرو ریزی کے ازالہ کا بیان ہے، یہ گمان عاملین حدیث کے حق میں بے شبہ "ان بعض الظن اثم" کا مصداق رہا ہے، بدگمانی زنان امت کا کام ہے، مقتدیان ملت کا نہیں۔

اگر کوئی سیاہ دل اپنی نفسانیت، قوت بہیمیہ اور عصبیت کی راہ سے اس معصیت عظمی اور گناہ عظیم میں مبتلا ہو جائے تو اس کو اپنے ایمان سے ہاتھ دھونا چاہئے، یہ بلا ایک جماعت کی طرف سے ظہور میں آئی ہے، جوان نفوس قدسیہ حضرات ائمہ اربعہ کو اپنے گناہ آلود نفوس پر قیاس کئے ہوئے ہیں، ناجنسوں، شیعوں اور درہم ودینار کے پجاری فرقوں کی صحبت کی وجہ سے اپنے لئے مصیبت اورعذاب مول لیا ہے، اورعدل وانصاف کو یک قلم اپنے صفحۂ دل سے کھرچ دیا ہے، دین کو کھیل واڑ بنا رکھا ہے، مغز اور چھلکے میں فرق نہیں پہچانا۔

اس ملت میں ائمہ اربعہ مجتہدین کا جو حال ہے ویسا ہی ائمہ حدیث بالخصوص اصحاب امہات ستہ بلکہ ان کے ہم مثلوں کا معاملہ ہے، یہ تمام دین مبین کے اساطین اور ممالک شرع متین کے سلاطین تھے، ان کا بار احسان وکرم تمام امت سابقہ اوراس ملت لاحقہ کی گردن پر

ثابت و متحقق ہے، بلکہ یہ لوگ ان دوسروں سے زیادہ مقدم اور بہت ہی معزز و مکرم ہیں جو علم سنت کے مناصب علمیہ تک نہیں پہنچ سکے ہیں، بلکہ ان کی ساری عمریں آراء واہواء کی تدوین کے کاروبار میں ضائع ہوئی ہیں، اور حیات مستعار کی تمام سانسیں زمانے کی فقہیات کے سیکھنے سکھانے میں چلتی رہی ہیں، اور چل رہی ہیں، اسی کو حقیقی کمال اور اصل شرعی خدمت گمان کرتے ہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، پہلا طبقہ سنن صحیحہ کے اکٹھا کرنے اور اہل زمانہ کو ان کی دعوت و تبلیغ کے درپے ہے، اور دوسرا گروہ فتنوں اور مصیبتوں کے آثار قائم کرنے کے پیچھے لگا ہوا ہے ؎

جوہر جام جم از طینت کان دگرست
تو توقع زگل کوزہ گراں میداری

(جام جم کا جوہر دوسرے کان کی اصل مٹی سے ہے، اور تم کیچڑ سے دیگ بنانے کی توقع رکھتے ہو)

امام بخاری

امام حافظ الاسلام امیر المؤمنین علم حدیث شریف محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے، یہ مبارک سال قرون مشہود لہا بالخیر کے زمانے میں یقینی طور پر داخل ہے، ان کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی، باسٹھ سال کی عمر پائی، موصوف امام احمد احد الائمۃ الاربعۃ کے شاگرد رشید ہیں، دفن کئے جانے کے بعد ان کی قبر مدت دراز تک مشک کی خوشبو دیتی رہی ؎

کمال ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

(مجھ میں یہ خوبی ہم نشین کے کمال کا اثر ہے، ورنہ میں تو وہی خاک ہی خاک ہوں)

اے اللہ! ہم کو بھی لوگ بخاری کہتے ہیں، کیونکہ ہمارے آباء واجداد (اللہ ہم کو اور ان کو بخشے) اس بزرگ وار امام کے ہم وطن رہے ہیں، امید رکھتا ہوں کہ اس شرکت نسبت کی برکات سے محروم نہیں رہوں گا۔

مرا از زلف او موے بسند ست
فضولی می کنم بوے بسند ست

(مجھے ان کی زلف کا ایک بال ہی کافی ہے، میں زیادتی کر رہا ہوں، اس کی ایک مہک ہی کافی ہے)

امام مسلم

دوسرے امام لا ثانی مسلم بن حجاج قشیری ہیں، سن دو سو دو یا چار یا چھ میں ان کی پیدائش ہوئی ہے، اور یہ سال بھی قرون مشہود لہا بالخیر کے سالوں میں شمار ہوتا ہے، ۲۶۱ھ میں رحمت ذو الجلال کے جوار میں انتقال کیا، پچپن سالہ زندگی پائی، امام احمد اور امام بخاری کے شاگرد ہیں، ان کی کتاب صحیح، امام بخاری کی صحیح کے ہم پایہ ہے، ان دونوں کتابوں کے قبول واعتبار پر امت کا اتفاق ہے، کتاب اللہ کے بعد ان دونوں کے مرتبہ کی کوئی صحیح کتاب نہیں ہے، حجۃ اللہ البالغۃ میں مذکور ہے: "ومن يهون أمرهما فهو مبتدع متبع غير سبيل المؤمنين"۔ (۱۱۴)

(جو کوئی صحیحین کی شان میں سبکی و بے عزتی کی بات کرے گا وہ بدعتی اور مومنوں کی راہ سے ہٹ کر دوسروں کی راہ پر چلنے والا ہے)

یہ بات دوسری ہے کہ کوئی شخص یہ گمان کرے کہ قرآن کا نزول فال لینے، چومنے، اور سر پر رکھنے کے لئے ہے، اور صحیح بخاری کا وجود مصائب وامراض میں ختم پڑھنے کے لئے ہے، نہ اس لئے ہے کہ قرآن کے معنی میں تدبر کیا جائے اور اس کے مقصد پر وجوباً عمل ہونا چاہئے، اسی طرح یہ گمان کرنا ہے کہ کتب حدیث چاہے صحیحین ہوں یا اور کوئی، یہ سب بعد میں پیدا ہونے والے مذاہب کی تائید، اور اقوال ائمہ ورجال کے مخالف ہونے کے وقت رد کرنے کے لئے ہیں، اور تمام احوال میں سنت مطہرہ سے تمسک کے لئے نہیں ہیں۔

---

(۱۱۴) حجۃ اللہ البالغۃ ۱/۱۳۴۔

امام ابوداود

ابوداود سجستانی جو صاحب سنن ہیں، سجستان کی طرف منسوب ہیں، جو بصرہ کا ایک گاؤں ہے، یہ وہ سیستان نہیں ہے جو ہندوستان کے مغربی شہروں میں سے ایک شہر ہے، اور سندو ہرات کے درمیان قندھار سے متصل واقع ہے، ابن خلکان سے غلطی ہوئی ہے کہ امام ابوداود کو اسی شہر کی طرف منسوب کر دیا ہے، امام ابوداود ۲۰۲ھ میں پیدا ہوئے، یہ زمانہ بھی خیر القرون کا زمانہ ہے، امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، اپنی کتاب سنن کو ان کے سامنے پیش کیا، تو بہت تعریف کیا، اور امام احمد نے ان سے حدیث عتیرہ لکھا، ان کی وفات ۲۷۵ھ دوسو پچھتر میں ہوئی ہے، انہوں نے اپنی السنن کی کتاب الزکاۃ کے باب صدقۃ الزرع میں ایک عجیب وغریب بات لکھی ہے۔

" شبرت قثاء بمصر ثلاثة عشر شبرا، ورأيت اترجة على بعير بقطعتين وصيرت على عدلين" انتهى۔

(مصر میں میں نے ایک ککڑی کو ناپا تو تیرہ بالشت کی ہوئی، اور ایک لیمو دیکھا، جو دو ٹکڑوں میں اونٹ کی پیٹھ پر دونوں جانب لادا گیا تھا)

امام ترمذی

محمد بن عیسی ترمذی مشہور حافظ حدیث ہیں، ۲۰۹ھ میں ان کی ولادت ہوئی، یہ سال بھی قرون مشہود لہا بالخیر میں شمار ہے، ۲۷۹ھ میں وفات پائی، امام بخاری اور امام مسلم کے شاگرد ہیں، امام بخاری نے ان سے ایک حدیث روایت کی ہے، لیکن صحیح سے خارج ہے، ان کی کتاب جامع ایسے فضائل وخصائص اور محاسن کے ساتھ مخصوص ہے جو اس کے علاوہ میں نہیں پائے جاتے۔

امام نسائی

امام ابوعبدالرحمٰن نسائی ۲۱۴-۱۵ھ (دوسو چودہ یا پندرہ) میں پیدا ہوئے، یہ سال بھی قرون مشہود لہا بالخیر کے سالوں میں داخل ہے، امام ابوداود کے شاگرد ہیں، ان سے لوگوں

نے کہا آپ نساء (عورتوں) میں سے ہیں، جواب دیا: "نعم الرجال من النساء" (نساء کے مرد خوب ہیں) ان کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

امام ابن ماجہ

امام محمد بن یزید، ابن ماجہ کے ساتھ مشہور ہیں، ۲۰۹ھ میں شکم مادر سے نکل کر مقام ظہور پر آئے، یہ سال بھی زمانہ خیر میں سے ہے، ۲۷۳ھ میں قرب الٰہی کے جوار میں چلے گئے۔

ان برگزیدہ اور پسندیدہ بزرگوں کے جامع تراجم حطہ بذکر الصحاح الستہ، اتحاف النبلاء اور ابجد العلوم میں مذکور ہیں، اور حافظ ابن حجر سے یہ بات نقل ہو چکی ہے کہ زمانہ تبع تابعین دوسوبیس کی حدود تک تھا، اور یہ تحدید تین خیر قرون کی بنا پر ہے، اگر چوتھے قرن کا جو حدیث مسلم کا مدلول ہے، ان تین قرنوں پر اضافہ کر دیں تو ان ائمہ ستہ کے طبقات کے بعد اکابر محدثین کی ایک بہت بڑی جماعت رہی وہ بھی قرون خیر میں شامل ہو جائے گی۔

بہرحال اصحاب صحاح ستہ کا زمانہ اگر چہ ائمہ اربعہ کے بعد ہے، لیکن دونوں طبقوں کے زمانے متصل ہیں، اس لئے ائمہ اربعہ کی طرح یہ محدثین عظام بھی زمانہ خیر القرون میں داخل وشامل ہیں، اور مسلمانوں کے سارے گروہوں پر فائق ہیں، ان کا اور جملہ محدثین کا استخفاف وطعن کرنے والے کا حکم بلا تفاوت وفرق وہی ہے جو ائمہ اربعہ کے حق میں بے ادبی کرنے والے اور حفظ مراتب کے تارک کا حکم ہے، پس ائمہ اربعہ کا بے ادب سعادت دارین سے جس طرح محروم ہے، اسی طرح ان اکابر محدثین کا گستاخ مالک دو جہاں کے دربار عالیہ سے مردود ہے، کیونکہ ان مبارک جماعتوں کے سارے لوگ اصحاب قرون مشہود لہا بالخیر ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ والذین جاؤا من بعدهم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا ربنا انك رؤف رحیم﴾ (۱۱۵)

---

(۱۱۵) سورۃ الحشر: ۱۰۔

(اور جو لوگ ان کے بعد آئے دعا کرتے ہیں، اے ہمارے رب ہمیں بخش دے، اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دل میں مسلمانوں کے لئے کوئی کھوٹ نہ آنے دے، بیشک تو بڑی شفقت والا مہربان ہے)

آج کل بلکہ عرصہ دراز سے ائمہ اربعہ کے مقلدوں اور ان اکابر محدثین کی مروی روایات کے قبول کرنے والوں کے درمیان عداوت، کینہ، تعصب، تعسف، انکار اور مذاہب ومشارب کی حمیت دیکھی جاتی ہے، اور ہمیشہ موجود اور روز افزوں رہتی ہے، اس سے یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ ائمہ اربعہ اور ان محدثین کے عہد سعادت میں بھی یہی ماجرا چلتا رہتا تھا، بلکہ اس کمزور بنیاد والے خدا دشمن اور کوتاہ نظر، فن کار مقلدین کے انبوہ وجتھے کے برعکس ائمہ دین اور ائمہ محدثین کے درمیان غایت درجہ الفت، اتحاد، موافقت اور محبت ہوا کرتی تھی، اور ہر ایک شخص اپنی تقریر وتحریر میں دوسرے کی تعریف اس کے سامنے اور پیٹھ پیچھے کیا کرتا تھا۔

طبقات محدثین کی کتابیں اور ائمہ مجتہدین کی تواریخ موجود ہیں، اللہ کے لئے کچھ وقت ان کے مطالعہ میں صرف کرنا اور حقیقت حال کی طرف پاؤں لے جانا چاہئے، اگر کبھی کسی اہلحدیث نے کسی فقیہ کے حق میں کوئی نرم گرم بات کہی ہوگی تو اس کی بنیاد دین مبین کے دفاع پر ہوگی، نفسانیت کی بنا پر ایسا نہیں ہوا ہوگا، جیسا جاہل لوگ گمان کرتے ہیں، اس طرح کے پیچ اونچ کلمات ان کے اور ان کے نفس کمالات میں قادح نہیں ہیں، جیسا کہ اس کے اسباب کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ ماند در نوشتن سیر وشیر

(نیک لوگوں کے کام کو اپنے کام پر قیاس نہ کرو اگرچہ سیر (بمعنی لہسن) اور شیر (بمعنی دودھ) کی لکھائی ایک جیسی ہوتی ہے۔)

المیہ

دین میں ایک سخت مصیبت یہ ہے کہ ہزار سال کے بعد مثلاً ایک قوم ظاہر ہوئی جو اہل علم کی پوشاک پہنتی ہے، فضیلت کا پیشہ اختیار کرتی ہے، باپ دادا کے اجتہاد اور گذرے ہوئے لوگوں کی رائے پر فتوی دیتی ہے، اور جن مذاہب کا اپنے کو مقلد کہتی ہے ان کی مدد وغلبہ کے لئے حقائق ایمان سے گذر جاتی ہے، یعنی مسائل حدیث پر سردمہری اختیار کرتی اور باطل چیزوں پر ہاتھ مارتی ہے، اس طرح یہ جماعت، سلف صالح کو برا بھلا کہنے اور اپنے گناہ کے ساتھ دوسروں کے گناہ اکٹھا کرنے کا سبب ہوتی ہے، اور سمجھتی ہے کہ اگر کوئی ناجی ہے تو وہ اور اس کے ہم مذہب ہی ہیں، باقی تمام کے تمام بے اعتبار اور جہنمی ہیں، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

ایک دوسری جماعت بھی نمودار ہوئی ہے جو عمل بالحدیث کا دعوی تو کرتی ہے، لیکن اس نے ردتقلید کے سلسلے سے ائمہ اربعہ اور ان جیسے سلف صالح کے بارے میں لمبی چوڑی قیل وقال شروع کر رکھی ہے، اور حدود سنت مطہرہ سے تجاوز کر کے ہلاکت کے گڈھے میں اوندھی گری پڑی ہے اور نازیبا حرکتوں سے آراستہ ہو کر خیال کر رہی ہے کہ شاید اتباع اسی کا نام ہے کہ امت کے ائمہ اور سلف کو برائی سے یاد کیا جائے، اور زبان کو ان لوگوں کی برائیوں اور عیبوں میں بے لگام کر دیا جائے، فانا للہ وانا الیہ راجعون، جس طرح خوف ورجا کے درمیان ایمان ہوتا ہے، اسی طرح افراط وتفریط کے درمیان جو حق صریح اور صواب صحیح ہے وہ درمیان سے نکل گیا اور پھول کی جگہ خار نے لے لی۔

بلاشبہ عمل بالحدیث وہ عظیم چیز ہے جو غیبت، بدگوئی، زبان درازی، دیوانگی، دریدہ دہنی اور زبان واعضاء کی تمام برائیوں سے مانع ہے، اور اکابر دین کے حق میں ناشائستہ اقوال وافعال کے صدور کا ہرگز مقتضی نہیں ہے، یہ کام اسی شخص کو مبارک ہو جو اجتہاد کا دعوی کرتا ہے، یا تجدید دین کا راگ الاپتا ہے، اور اس کا اجتہاد مومنوں کی تکفیر، مسلمانوں کو گالی گلوج بکنے، محدثین ومتبعین کو بلاوجہ لعن طعن کرنے کی طرف لے جاتا ہے، اس کے پاس اس

بکواس کی توجیہ میں نہ کوئی شرعی دلیل ہے، اور نہ دینی مناظرہ میں اس طرح کی چوسر بازی کی ضرورت ہے، اس مکر وفریب کے ذریعہ طلبۂ علم اور اہل علم کی جماعت کو اپنے حق میں بدکلامی اور دریدہ دہنی کرنے پر ابھارتا ہے۔

أعلمـــه الرمايـة كل يـوم

فلما اشتد ساعده رماني

(میں روزانہ اس کو تیر اندازی سکھا تا رہا، اور جب اس کا باز و مضبوط ہو گیا تو مجھی کو تیر کا نشانہ بنایا)

ہر چند کہ محققین علماء نے تصریح کیا ہے کہ اہل زمانہ کی اہل زمانہ کے حق میں نشتر زنی محض زبانی راگنی ہے، اور اعتبار واعتماد سے گھاس کے کنارے پر ہے، لیکن اس جگہ ایک بلاء عظیم جو اس اخیر زمانے والوں کو دامن گیر ہے، یہ ہے کہ اجتہاد کے بعض فروعی مسائل میں محض اختلاف کی بنا پر اپنے مخالف کی تکفیر میں بہت تیزی دکھاتے ہیں، اور اس مخالف کے فضائل، مکارم اور محاسن سے نظر پھیر لیتے ہیں۔

یہ فتنہ اس قدر عام ہو چکا ہے کہ مقلدین ومبتدعین جن کی گفتار ورفتار میں یہ مذموم روش ان کی ذات کا وصف لاینفک تو ہے ہی، ان کے علاوہ بعض اہل حق اور ارباب صدق بھی اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اور بدزبان مخالف کے مکر وفریب کو نہ سمجھنے سے یہ لوگ بھی قیل وقال پر اتر آتے ہیں، حالانکہ ہم اس بات پر مامور ہیں کہ خوشی، ناخوشی اور تنگی وفراخی میں اللہ اور رسول کی اطاعت ہاتھ سے نہ جانے دیں، فتنہ پردازوں اور دین کو بگاڑنے والے بے حیاؤں کے ورغلانے پر اپنی جگہ سے نہ ٹلیں۔

اگر زکوہ فرو غلطد آسیا سنگے

نہ عارف ست کہ از راہ سنگ برخیزد

(اگر پہاڑ سے چکی کا پتھر لڑھک آئے تو عارف کی شان یہ نہیں ہے کہ پتھر ملے راستہ سے کھسک جائے)

بنائے تکفیر

اس زمانے میں مقلدین مذاہب کے نزدیک دوسرے کی تکفیر غالباً اس بنا پر ہے کہ دین کے فروعی مسائل میں وہ دوسرا ائمہ اربعہ کی مخالفت کرتا ہے، یعنی جس نے حدیث سے تمسک کیا، اور اس حدیث کی وجہ سے مذہب رائے وقیاس کو رد کر دیا، تو مقلدین بے تکلف اس پر کفر کا حکم کر دیتے ہیں، اور ہر پتھر ڈھیلا اس پر پھینکنا پسند کرتے ہیں، اس کی مخالفت کو امام کے حق میں استخفاف سمجھتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک امام سے اختلاف کرنا مرتد ہونے سے بدتر ہے، گویا کہ امام ان لوگوں کی نظر میں رسول واجب الاطاعۃ کی طرح ہے، اور اس کی معصومیت فاتحۃ الکتاب میں نازل ہوئی ہے۔

یہ صورت کار مقلدین کی طرف سے ان فقیروں کی جان پر ظلم محض ہے، کیونکہ رائے کی مخالفت کرنے والا سنت کا معتقد، حدیث پر عامل اور اس کا داعی ہے، اس لئے دین میں اس کا مرتبہ ان مقلدین سے بالکل کم تر نہیں ہے، اور اس کا امام یا ماموم کی رائے قبول نہ کرنا امام کے ساتھ لڑائی جھگڑے کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس بنا پر ہے کہ اس نے امام کے حکم کے خلاف حدیث پائی ہے، جو امام کو نہیں پہنچی تھی، یا پہنچی مگر کوئی صحیح عذر اس پر عمل کرنے سے مانع ہوا، پس امام عند اللہ معذور بلکہ اپنی اجتہادی غلطی کی بنا پر ماجور ہے، اور وہ شخص جس سے تمام عذرات زائل ہو چکے ہیں، اگر ان احکام میں امام کا قول ترک نہ کرے، اور رسول مختار کی صحیح حدیث کے حکم پر عمل پیرا نہ ہو تو غیر معذور بلکہ گنہگار رہے۔

آگے آگے کود پھاند کرنے والے مقلدین کی طرف سے ان غریبوں کی تکفیر داد خواہوں کی جان پر سراسر ظلم ہے، یہ مقلدین ہرگز اس تکفیر کا کوئی جواب اور اپنی تقصیر کی کوئی معذرت اپنے پاس نہیں رکھتے ہیں، سوائے ایک صورت کے کہ ہر چھوٹے بڑے مسئلہ میں امام کی اطاعت کو اللہ ورسول کی اطاعت کے رنگ میں اثبات کو پہنچا ئیں، "ودونہ خرط القتاد" (یہ انہونی بات ہے، اس کے پیچھے ہاتھ لہولہان ہو جائے گا) اور جب ایسا نہیں کر سکیں گے تو خود ہی اس تکفیر کے مصداق ومدلول ہو جائیں گے، کیونکہ آں حضرت ﷺ کا

فرمان ہے: "أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما" متفق عليه من حديث ابن عمر۔ (۱۱۶)

(جس کسی نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو ان دونوں میں سے ایک اس کے ساتھ لوٹا)

کتاب ''نہایۃ'' میں ہے "باء بها اى التزمها ورجع بها" اور مصابیح کے بعض نسخوں میں "بها" کے بجائے "به" آیا ہے، اور ضمیر کا مرجع کفر ہے، مطلب یہ ہے کہ اس کلمہ (یا کافر) کا مخاطب کافر نہیں ہے، بلکہ اس کا قائل کافر ہو جاتا ہے، یہ وعید ایسی بھاری ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔

ابوذر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں ہے کہ:

" لا يرمى رجل رجلا بالفسوق ولا يرميه بالكفر الا ارتدت عليه، ان لم يكن صاحبه كذلك" (۱۱۷)

(ایک شخص دوسرے کو فاسق یا کافر ہونے کی تہمت لگاتا ہے، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ تہمت اسی پر لوٹ آتی ہے)

متفق علیہ حدیث (☆) میں حضرت ابوذر سے بطریق مرفوع مروی ہے کہ:

" من دعا رجلا بالكفر، أو قال: عدو الله، وليس كذلك، الا حار عليه" (۱۱۸)

(جس نے کسی کو کافر کہہ کر پکارا، یا اس کو اللہ کا دشمن کہا، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے، تو وہ نسبت وتہمت اسی پر الٹ آئے گی)

اس حدیث میں "دعا" سے مراد کافر کہنا ہے، اور "حار" کا معنی یہ ہے کہ "رجع عليه ما نسب اليه" (یعنی دوسرے کی طرف کفر یا عداوت کی جو نسبت کی ہے وہ اسی پر الٹ پڑے گی)

---

(۱۱۶) بخاری، ادب: ۶۱۰۴، مسلم ایمان: ۶۰۔

(۱۱۷) بخاری ادب: ۶۰۴۵۔

(☆) یہ حدیث متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ افراد مسلم سے ہے۔

(۱۱۸) مسلم، ایمان: ۶۱، احمد ۵/۱۶۶۔

انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

"المستبان ما قالا فعلی البادی ما لم یعتد المظلوم" (۱۱۹)

(دو شخصوں کے درمیان جو گالی گفتار ہوتی ہے، اس کا گناہ پہل کرنے والے پر ہے، جب تک کہ دوسرا جواب میں زیادتی نہ کرے)

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ کی مرفوع حدیث ہے کہ:

"لا ینبغی لصدیق أن یکون لعانا" (۱۲۰)

(یعنی مومن کے لئے جائز نہیں ہے کہ کثرت سے لعن طعن کرتا رہے)

دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان اللعانین لا یکونون شهداء ولا شفعاء یوم القیامة"۔ (۱۲۱)

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان شر الناس عند الله منزلة یوم القیامة من ترکه الناس اتقاء شره" وفی روایة "اتقاء فحشه" (۱۲۲)

(قیامت کے روز اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بدترین پوزیشن والا وہ شخص ہوگا جس کے شر اور بدکلامی سے بچنے کے لئے لوگ اس سے دور رہتے ہیں)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط الله لا یلقی لها بالا یهوی بها فی جهنم" ایک روایت میں یہ لفظ آیا ہے: "یهوی بها فی النار أبعد ما بین المشرق والمغرب"۔ (۱۲۳)

(بیشک بندہ بغیر سوچے سمجھے اللہ کی ناراضی کی بات بول جاتا ہے، اس کی وجہ سے وہ

---

(۱۱۹) مسلم، البر: ۲۵۸۷، ابوداود، الادب: ۴۸۹۴۔

(۱۲۰) اس کی تخریج حاشیہ نمبر ۵۲ میں گذر چکی ہے۔

(۱۲۱) اس کی تخریج حاشیہ نمبر ۵۱ میں گذر چکی ہے۔

(۱۲۲) بخاری الادب: ۶۰۳۲، ۶۰۵۴، مسلم، البر: ۲۵۹۱۔

(۱۲۳) بخاری، الرقاق: ۶۴۷۸، مسلم، الزھد: ۲۹۸۸۔

جہنم میں اتنی دور تک گرتا جائے گا جو مشرق و مغرب کے درمیان کی دوری سے بھی زیادہ ہے)

ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

"سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (۱۲۴) یہ حدیث متفق علیہ ہے،

"سباب" گالی دینے کے معنی میں ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"من حسن اسلام المرء تركه ما لا يعنيه" (۱۲۵) (آدمی کے اسلام کی ایک خوبی لایعنی وبیکار باتوں کو چھوڑ دینا ہے) اس حدیث کو امام مالک اور احمد نے علی بن حسین سے روایت کیا ہے، ابن ماجہ نے ابو ہریرہ سے اور ترمذی وبیہقی فی شعب الایمان نے علی بن حسین اور ابو ہریرہ دونوں سے روایت کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا الفاحش ولا البذی" رواه الترمذی والبيهقی عن ابن مسعود۔ (۱۲۶)

حدیث مذکور میں "بذاء" سے مراد بے کار قسم کی گفتگو ہے۔

ابوسعید اور جابر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث میں آیا ہے۔

"الغيبة أشد من الزنا، الى قوله وصاحب الغيبة ليس له توبة" رواه البيهقی فی شعب الايمان۔ (۱۲۷)

(غیبت کرنی زنا سے زیادہ سخت قبیح ہے......اور غیبت کرنے والے کی توبہ کالعدم ہے)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

---

(۱۲۴) حاشیہ نمبر ۵۰ میں گذر چکی ہے۔
(۱۲۵) ترمذی، الزہد: ۲۴۱۹، ابن ماجہ فتن: ۲/۱۳۱۶، صحیح۔
(۱۲۶) حاشیہ نمبر ۵۳ میں گذر چکی ہے۔
(۱۲۷) مجمع الزوائد، ادب، ۸/۹۴، بروایۃ الطبرانی، قال الالبانی: ضعیف جدا، والحدیث عند الطبرانی فی الأوسط ۴/۴۸۵، والبیہقی فی الشعب ۲/۳۰۵ (الضعیفۃ ۴/۲۶، ۳۲۵ (۱۸۴۶)

"من يضمن لي ما بين لحييه وما بين رجليه أضمن له الجنة" (۱۲۸) رواه البخاری عن سهل بن سعد مرفوعا۔

(جو کوئی اپنی زبان اور شرم گاہ کی حفاظت کی ذمہ داری لے تو میں اس کے لئے جنت کی ضمانت لیتا ہوں)

انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے:

"من ترك الكذب وهو باطل بنى له فى ربض الجنة ومن ترك المراء وهو محق بنى له فى وسط الجنة ومن حسن خلقه بنى له فى أعلاها" (۱۲۹) رواه الترمذی عن انس مرفوعا، وقال هذا حديث حسن صحيح وكذا فى شرح السنة وفى المصابيح غريب۔

(جو شخص جھوٹ بولنا لغو گفتگو میں بھی چھوڑ دے، تو اللہ تعالی اس کے لئے جنت کے کنارے گھر بنائے گا، اور جس نے حق پر ہوتے ہوئے بھی لڑائی جھگڑا ترک کر دیا تو اس کے لئے بیچ جنت میں گھر بنائے گا، اسی طرح جس نے اپنے اخلاق کو بہتر بنایا تو اس کے لئے جنت کے سب سے بلند حصے میں گھر بنائے گا) اس حدیث کو ترمذی نے انس سے مرفوعا روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے، ایسے ہی شرح السنۃ میں بھی ہے، اور مصابیح میں اس کو غریب کہا ہے۔

''ربض'' بمعنی ناحیہ (گوشہ، کنارہ) ہے جو گھر کے اندر ہو، اس سے باہر نہ ہو، اور ''مراء'' سے مراد دین میں لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔

اس باب میں حدیثیں بہت ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مسلمان کو کافر وفاسق نہیں کہنا چاہئے، زبان کو لعن طعن، بیہودہ بات، بکواس، اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ کلام، لا یعنی کلمہ، غیبت اور زبان کی دوسری لغویات وہفوات سے محفوظ رکھنا چاہئے، اور دین میں لڑائی جھگڑا کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ایسا ہی

(۱۲۸) بخاری الرقاق: ۶۴۷۴۔ (۱۲۹) ابوداود فی الادب عن ابی لبابہ: ۴۸۰۰، ترمذی البر: ۲۰۶۱، حسن۔

ہے، جس شخص کو اس پر عمل کی توفیق حاصل ہوتی ہے وہ ان پر کاربند رہتا ہے۔

اس تیرہویں صدی ہجری میں جس کے چھ مہینے گذرنے کو باقی ہیں، حال یہ ہے کہ دین کے بارے میں اکثر بحث کرنے والے اور رسائل ومسائل میں متبعین کے ساتھ مناظرہ کرنے والے ان امور ممنوعہ کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں، ﴿وکان الانسان اکثر شئ جدلا﴾ (۱۳۰) (انسان سب چیز سے زیادہ جھگڑالو ہے)

غرض کہ مسئلہ میں بحث چلتی ہے تو مخالف کو زبان وبیان سے ہر ناشائستہ کلمہ کے ساتھ یاد کرتے ہیں، یہاں تک کہ بے دھڑک کافر، فاسق، یا بدعتی جاہل کہہ دیتے ہیں، اور قسم قسم کی غیبت، گالی گلوج سے اپنے ایمان کی آبروریزی کرتے ہیں، جانتے نہیں ہیں کہ گیدڑ کی فریاد گیدڑ کے لئے وبال ہے، اور دشنام بازی لعنت کے فوارہ سے زیادہ نہیں ہے۔

یہ لوگ دوسروں کو جن القاب سے متصف کرتے ہیں، اگر ان کے گمان وخیال کے مطابق حقیقت وواقعہ میں ویسے نہیں ہیں تو بلاشک وشبہ یہ خود ان برے القاب وکلمات کے مصداق ہیں، اور ایمان سے خارج ہوکر دائرۂ ارتداد میں آجاتے ہیں، حالانکہ شرع میں جان ومال اور آبرو کا حکم ایک ہے، عوام کو چھوڑو جو خود ہی مستحق التفات وخطاب نہیں ہیں، ان لوگوں کو دیکھو جو خود کو خواص میں ہونے کا اعتقاد رکھتے ہیں، اختلافی مسائل اور نوساختہ امور جن کے یہ خود قائل وفاعل ہیں، ان میں بحث کے وقت اپنے مخالف کو جو کتاب وسنت سے دلیل لاتا ہے، کفر اور کافر ہونے کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ جرأت اس گروہ کی جانب سے وجود میں آئی ہے جو اپنی دیانت کو کھلواڑ بنائے ہوئے ہے، اسی طرح ایک دوسرا گروہ ہے جو اپنے کو ان لوگوں کے جواب کے لئے تیار کرکے ان کی برابری میں یہی گناہ کررہا ہے۔

چہ قدر بدشت وحشت بہ بیت دویدہ ام من
بہ کجا رسیدۂ تو بکجا رسیدہ ام من

(وحشتناک جنگل میں تیرے پیچھے کس قدر دوڑا ہوں، تم کہاں پہنچے، اور میں کہاں پہنچا ہوں)

---

(۱۳۰) سورۃ الکہف: ۵۴۔

کفر صریح اور کفر تاویل

علماء محدثین وفقہاء میں سے محققین نے کافر صریح اور کافر تاویل کے درمیان فرق کیا ہے، اور کہا ہے کہ کفر صریح، کفر بواح (کھلا ہوا کفر) ہے اور کفر تاویل بدعت ہے، اس کفر والا اصل ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے، اس کو اشتباہ پیش آ گیا ہے، نصوص کے معنی اور دلائل کے مدلول معلوم کرنے میں اس کی فہم نے کوتاہی دکھائی ہے، پس وہ اس بدعی تاویل میں معذرت پذیری اور دست گیری کے لائق ہے، اس کو نصیحت کرنے اور کیفیت استدلال وطریقۂ احتجاج کی معرفت کے بارے میں اس کے شبہات، تقصیرات کے ازالہ کے لئے کوشش کرنی چاہئے، اس کو ہرگز ایمان سے خارج اور دائرۂ کفر وتکفیر میں داخل نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ کسی پر کفر کا حکم کرنا اس کا گھر برباد کرنا ہے، اور مسلم مومن پر عظیم جرأت اور زبردست جرم ہے۔

امام ربانی نے وابل الغمام میں بڑی عمدہ بات کہی ہے، ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔

جو شخص ایمان کا اقرار کرتا ہے، اور ظاہر میں مسلمان ہے، ہرچند کہ وہ بدعتی اور نئی چیزوں سے شغل رکھتا ہو، اس پر کفر کا حکم نہیں کرنا چاہئے، اور نہ اس کے حق میں دشنام بازی وفحش کلامی کرنی چاہئے، زیادہ سے زیادہ یہ کریں کہ جس قول وفعل کے کہنے اور کرنے والے کو شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے کافر کہا ہے، اس کو بیان کردیں، یہ منع نہیں ہے، لیکن معین طور پر نہ کہیں کہ فلاں شخص جو یہ کام کر رہا ہے، یا کیا ہے وہ کافر ہو گیا، اس لئے کہ اس قسم کے مواقع پر حق عبارت یہ ہے کہ یوں کہیں کہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کام کو کفر کہا ہے، اور اس کے کرنے والے پر لفظ کافر کا اطلاق کیا ہے، مسلمان کو اس باب میں احتیاط سے کام لینا لازم ہے، پس اسی قدر اشارہ کرنے اور حدیث کو بلفظہ بیان کرنے پر اکتفا کریں۔

مثلاً تارک نماز کو جو قصداً نماز نہیں پڑھتا ہے، یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے: "من ترك الصلاة متعمدا فقد كفر" (١٣١) (جس نے قصداً نماز چھوڑ دیا اس نے کفر کیا)

---

(١٣١) اس حدیث کو طبرانی نے فقد کفر کے بعد جھاراً کی زیادتی کے ساتھ روایت کیا ہے، شیخ البانیؒ کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔ (الضعیفۃ ٦/١٢)

یا کسی کو دیکھیں کہ کاہن (جادوگر) کے پاس جاتا ہے، اور اس کو راست گو سمجھتا ہے، تو اس کو یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیث میں ہے:

"من أتى كاهنا فصدقه فقد كفر بما أنزل على محمد صلى الله عليه وسلم" (۱۳۲)

(جو شخص کاہن کے پاس گیا، اور اس کی بات پر یقین کیا تو اس نے محمد ﷺ پر نازل شریعت کا انکار کیا)

اسی طرح شارع نے جس پر تصریح کے ساتھ کفر کا حکم فرمایا ہے، جیسے خوارج و روافض، تو ان پر علی الاطلاق کفر کا حکم کر سکتے ہیں، تعیین کے ساتھ نہیں۔

منہج اہل سنت

اہل سنت و جماعت جو رافضہ کو کافر کہتے ہیں، انہوں نے یہ حکم جنس رافضہ پر کیا ہے، ان کے خاص اعیان و افراد کو کافر نہیں کہا ہے، اگرچہ یہ جانتے ہیں کہ فلاں شخص شدید الرفض اور کفر کا مصداق ہے، لیکن ضرورت کیا ہے کہ اس کو تعیین و تشخیص کے ساتھ کافر کہا جائے، کوئی رافضی اگر یزید پلید (فیہ نظر) سے بدتر ہوگا تو بھی اہل احتیاط و تقوی نے اس کے کفر کا حال جاننے کے باوجود اس پر لعن طعن کرنے سے زبان بند رکھا ہے، اسی طرح اہل بدعت کے بارے میں بدعت اور بدعتیوں کی مذمت کی احادیث کو اہل سنت و جماعت روایت کرتے ہیں، اور ان کا حکم بیان کرتے ہیں، لیکن کسی خاص شخص کو اس کا مصداق مقرر نہیں کرتے ہیں۔

بعض بدعات ایسی ہیں جو بدعتی کو کفر کی حد تک نہیں پہنچاتی ہیں، جیسے معتزلہ و مرجئہ کی بدعات ہیں، اسی لئے سنی لوگوں نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے، اور جیسے زیدیہ کی بدعت ہے کہ یہ لوگ فروع میں حنفی اور اصول میں معتزلی ہیں، یہی حال فرقہ تفضیلیہ کا ہے کہ ان کی بدعت بھی کفر کی سرحد تک کشید نہیں کرتی ہے، اسی پر اوروں کو بھی قیاس کرو۔

---

(۱۳۲) ابوداود، طب: ۳۹۰۴، ترمذی طہارہ: ۱۳۵، صحیح۔

تنبیہ: ابوداود کی روایت میں "فقد کفر" کے بدلے "فقد برئ" اور ترمذی میں یہ روایت لفظ "فصدقہ" کے بغیر ہے۔

متعصب جامد مقلدین حنفیہ کو اور ان کے اخوان کو دیکھو جو دوسرے مذاہب کے مقلد ہیں کہ ہر چند رجال کی تقلید بدعت ضلالت اور باطل امور میں سب سے بڑی باطل چیز ہے، پھر بھی کوئی محدث ان میں سے کسی معین شخص کی تکفیر نہیں کرتا ہے، بلکہ اتنا ہی کہتا ہے کہ دین میں تقلید شرک ہے، اور گذشتہ کفار سے منقول ہو کر آئی ہے، اس لئے قول وعمل میں تقلید کا دامن پکڑنا حرام ہے، کیونکہ اس سے جناب سید المرسلین ﷺ کے ساتھ گستاخی، اور ائمہ اربعہ مجتہدین پر افترا پردازی کا گناہ ہاتھ آتا ہے، اس لئے کہ ان ائمہ کا قول ہے کہ صحیح حدیث کا علم ہونے کے بعد ان کے قول کو لینا ناجائز ہے۔

اگر کوئی حدیث اس باب میں معلوم نہیں ہے، اور مقلد کے ہاتھ میں امام یا ماموم کے مذہب کے سوا اور کچھ نہیں ہے، تو حدیث پہنچنے تک وہ معذور ہے، ہاں یہ جمود اس وقت جرم ہے، جب احادیث کے مجموعے طلبۂ زمانہ کو دستیاب ہوں، اور ادنی توجہ سے اس علم شریف کی کتابیں حاصل ہوسکتی ہیں، نیز علماء اہلحدیث کے مدرسین ومؤلفین موجود ہوں جو کتاب وسنت کے موافق مسائل واحکام بیان کرنے پر قادر ہیں، ان سب کے باوجود اگر کوئی شخص تعصب، ہٹ دھرمی، حمیت، عصبیت،، جہالت اور نفسانیت کی وجہ سے دیدہ ودانستہ تقلید کو اتباع پر مقدم کرتا ہے، اور سنت صحیحہ پر عمل کرنے والوں کی نسبت نازیبا کلمات اور بے ادبی کے الفاظ زبان پر ہانکتا ہے اور کہتا ہے کہ قال قال بہت ہے، میں حدیث کو کلام امام یا امام کلام کے مقابل میں قبول نہیں کرتا ہوں، مزید یہ کہ اصحاب سنت کو لعن طعن، سب وشتم اور ان پر قدح وجرح کرتا ہے، تو ایسا شخص بے شبہ کافر صریح، لائق قتل اور قابل گردن زدنی ہے، اور جس طرح کمان سے تیر نکل بھاگتا ہے، اسی طرح یہ شخص دائرہ اسلام سے باہر ہو جاتا ہے، اور گوندھے آٹے سے بال کی طرح دین سے نکل جاتا ہے۔

بایں ہمہ ضروری نہیں ہے کہ ان لوگوں میں سے کسی ایک فرد کو بالتعیین کافر کہا جائے، اور اس پر کفر کی مہر لگا دی جائے، اس جگہ بھی اتباع سنت کے راستہ پر چلنا اور اسی سابق مقدار پر اکتفاء کرنا کافی ہے، کیونکہ بغیر عذر صحیح کے صحیح حدیث کا منکر خود کافر ہو جاتا ہے، جو

شخص بھی ہو اور جہاں کہیں ہو، اور چاہے اس کو کوئی کافر کہے یا نہ کہے، اسی طرح تقلید اور قیل وقال پر جامد شخص دلیل واضح ہونے اور کسی طور پر حجت پہنچنے کے بعد حدیث سے بغض اور سنت کی ناپسندیدگی کی وجہ سے بلا شک وشبہ کافر ہے، چاہے جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو، یہ دونوں قسم کے لوگ اس جگہ ٹیڑھا راستہ اختیار کیے ہیں، خود ان کی اہواء وآراء اس گمراہی کا سبب ہوئی ہیں ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہر چہ کرد آں آشنا کرد

(میں غیروں کی شکایت ہرگز نہیں کروں گا، کیونکہ میرے ساتھ جو کچھ ہوا ہے وہ اپنوں کا کیا دھرا ہے)

عاملین سنت سے شکوہ

اہل بدعت اور ارباب رائے سے شکوہ نہیں ہے کہ یہ تکفیر وتضلیل بھی ان کی جانب سے اہل سنت واتباع کے حق میں ایک بدعت ضلالت ہے، افسوس اس جماعت پر ہے جو اپنے کو عامل سنت خیال کرتی ہے، اور سنت صحیحہ کے برخلاف یہ حرکت کرتی ہے کہ اہل رائے کے بدعتی لوگوں اور ان کی نوزائیدہ ٹولیوں کے ساتھ بحث ومناظرہ کے وقت زبان، ودہان کو افراط وتفریط سے سخن آشنا کرنے میں لگتی رہتی ہے، اور دوسروں کی بدشگونی کے لئے اپنی ناک چھیلتی ہے ؎

تو جمع باش کہ ما را دریں پریشانی
حکایتے ست کہ از خویش می تواں کردن

(تم مطمئن رہو، کیونکہ ہماری اس پریشانی کی جو کہانی ہے وہ اپنوں سے کہنے کی ہے)

کاش اس جماعت کے عوام جو اس کام کے مرتکب ہو رہے ہیں، اس موقع پر صبر وضبط اور حفاظت زبان کی راہ اختیار کرکے اپنے گناہوں کو جماعت اہل بدعت کے سر پر ڈال دیتے اور آیت کریمہ ﴿أن تبوء باثمي واثمك فتكون من أصحاب

النــــار ﷺ (۱۳۳)(تم میرا گناہ اور اپنا گناہ (دونوں) سمیٹ کر جہنمیوں میں شریک ہو جاؤ) کے مطابق اپنے دل کی تسلی حاصل کرتے ،لیکن مکار ابلیس نے جہاں تک ہو سکا ہر گروہ کے ساتھ فریب کیا، جیسا کہ ابن جوزی کی تلبیس ابلیس میں اس اجمال کی تفصیل پورے طور پر مذکور ہے، افسوس ہے جمہور پر کہ اس دشمن کے دام میں خطا وقصور کے اسیر ہو گئے ہیں، ایمان کامل اور اسلام خالص کی دولت سے فقیر ہو کر رہ گئے ہیں ؎

حسن سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر

دام ہم رنگ زمیں بود گرفتار شدم

(خط رخسار میں ہرے پن کے حسن نے مجھ کو قیدی بنا لیا، پھندہ زمین کا ہم رنگ تھا اس لئے میں پھنس گیا)

ایسے لوگ بہت کم دکھائی دیتے ہیں جنہیں حمایت الٰہی ان کی دست گیری کر کے سیدھی راہ حق وصواب پر لائی ہے، اور ان کو حمیت جاہلیہ، دین میں غفلت، سید المرسلین کی سنت کی مخالفت پر جمود اور مذہبی تعصب کے اسباب سے دور رکھا ہے، ورنہ ایسا ویسا فقیہ ہو یا متبع جس کو کم عمری میں بعض مسائل ذہن نشین ہو گئے ہیں، مکتب اطفال میں جس عقیدے پر اس نے نشو ونما پائی ہے، بالضرورۃ اس پر جامد ہوگا، اس پر سو آیتیں تلاوت کرو یا ہزار حدیثیں پڑھو، وہ اپنے اختیار کردہ مسائل وعقائد سے ڈگمگاتا نہیں ہے، الا من رحمه الله تعالى.

عقائد و مذاہب سے رجوع

حجت واضح اور برہان ظاہر ہونے کے وقت روایتی عقائد و مذاہب سے رجوع کرنا انسان کی بہت بڑی سعادت ہے، سلف صالح کی بڑی جماعت نے کئی امور میں رجوع کیا ہے، آج ہزار میں ایک بھی ایسا نہیں دیکھا جاتا ہے جو محض براہ خلوص یہ کام کرے، بلکہ جس مسئلہ میں اس کا کوئی حریف ہوتا ہے تو اس پر فرض عین ہو جاتا ہے کہ اگر چہ بحث ومناظرہ میں ہزار بار لغزش کھائے ،لیکن اس باب میں اپنے قصور فہم کا ہرگز اقرار نہ کرے، اسی طرح

(۱۳۳) سورۃ المائدۃ:۲۹۔

اپنے اوپر یہ بھی واجب بنالیتا ہے کہ جس شخص نے اس کے جواب میں کوئی رسالہ یا کتاب لکھی ہے، گو واضح دلیل لایا ہو، اور آفتاب نصف النہار کی طرح روشن حجت بیان کیا ہو، ہرگز اس کو قبول نہیں کرے گا، اور جو کچھ پہلے روز گایا بجایا ہے، خواہ مخواہ اس کی توجیہ، تاویل واثبات میں ہر گھاس پھوس میں لپٹ جاتا ہے، جواب نگاری کے نام سے چند اوراق سیاہ کرکے کچھ بازاری قسم کے لوگوں میں نمائش کرتا پھرتا ہے، جب کہ اہل علم ومعرفت اس پر ہنستے اور اس کے جواب ناصواب کا مذاق اڑاتے ہیں۔

علماء وقت اور فقہاء عصر میں ایسے بھی ہیں جو بہت لمبے چوڑے دعوے رکھتے ہیں، کچھ مت پوچھو کہ دین کو کس طرح بچوں کی گڑیا اور جاہلوں کا کھلونا بنائے ہوئے ہیں، خدا ترسی اور حیا داری کو صاف جواب دیئے ہوئے ہیں، ان سب کے باوجود ہم نہیں جانتے کہ قیامت برپا ہونے میں کیوں دیر ہے؟ اور آسمان سے تاروں کے جھڑنے میں تاخیر کہاں سے ہورہی ہے؟ شاید اس مٹھی بھر استخوانی ڈھانچہ کا وجود وبقا سنت کی پیروی کرنے والوں کی وجہ سے ہے، جو ہر تاریک زمین سے اٹھتے ہیں، اور جس طرح بھی ہوسکا توحید وسنت کو طاعت کا سرچشمہ اور نجات کی بنیاد سمجھ کر احیاء سنت اور ازالہ بدعت کے لئے ممکن حد تک مشغول ہیں، اور نگینۂ ایمان میں پردیسی اور اجنبی کی طرح پڑے ہیں ؎

هم سایه چوں بسوختن ما رضا نداد — رفتیم و در محلۂ بیگانه سوختیم

یک حرف آشنا بغلط هم کسے نگفت — چندانکه خواب خوش بهر افسانه سوختیم

(پڑوسی جب ہماری سوختگی پر راضی نہیں ہوا تو ہم اجنبی محلّہ میں جاکر جل مرے، کسی نے غلطی سے بھی شناسائی کا ایک لفظ نہیں کہا، جب کہ ہم نے افسانہ کے لئے کتنی عمدہ نیند کو جلایا ہے)

الحمدللہ ہر زمانے میں اللہ تعالی کی نصرت وحمایت سے ایک خوش نصیب جماعت حق پر گامزن رہتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿ وکان حقا علینا نصر المؤمنین ﴾ (۱۳۴)(مسلمانوں کی مدد کرنی ہم پر حق ہے)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿ وان حزب الله هم الغالبون ﴾ (۱۳۵)(بیشک اللہ ہی کا گروہ غالب رہے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"لا یزال طائفة من أمتی منصورین، لا یضرهم من خذلهم حتی تقوم الساعة" (۱۳۶)

(ہمیشہ میری امت کی ایک جماعت کو قیامت تک اللہ کی نصرت حاصل رہے گی، ان کی مدد نہ کرنے والا ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا) ترمذی نے اس حدیث کو معاویہ بن قرہ عن ابیہ سے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

صحیحین میں معاویہ سے روایت اس طرح ہے:

"لا یزال من أمتی أمة قائمة بأمر الله لا یضرهم من خذلهم ولا من خالفهم حتی یأتی أمر الله وهم علی ذلك" (۱۳۷)(میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے دین پر قائم رہے گی، ان کی تحقیر اور مخالفت کرنے والے ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، تا قیامت یہی لوگ دین پر جمے رہیں گے)

اس آخری دور میں ساعت کبری برابر ہمراہ اور قیامت عظمی رفیق سفر ہے، ناانصاف جفا کیش اور رائے پرمست ستم گر ہر جانب اور ہر دروازے سے شورش وفساد کے لئے سر اٹھائے ہوئے ہیں، اور ہر سو وکو سے مخلوق کی گمراہی کے اسباب جمع کر رکھے ہیں، ایسے دور پر آشوب میں اللہ کے طلب گار، حدیث مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواستگار، اتباع کے دلدادہ اور بدعات سے اجتناب کرنے والے روئے زمین کے مشرق ومغرب میں جلوہ افروز ہیں، اور

---

(۱۳۴) سورۃ الروم: ۴۷۔ (۱۳۵) سورۃ المائدہ: ۵۶۔

(۱۳۶) ترمذی فتن: ۲۲۸۷، ابن ماجہ مقدمہ ۱/ ۵، صح۔ (۱۳۷) بخاری مناقب ۳۶۴۱، مسلم امارۃ: ۱۰۳۷۔

روز بروز بلکہ لحہ بلحہ اضافہ وفروغ پا رہے ہیں، اور استقلال کے ساتھ اہل بطالت و جہالت اور اصحاب بدعت وضلالت کو ﴿قل موتوا بغیظکم﴾ (۱۳۸)(کہہ کہ اپنے غصہ میں جل مرو) کی نوید ان کے گوش حسرت نیوش تک پہنچاتے ہیں، ان ناؤنوش والوں کے مکر وفریب کو ﴿ولا یحیق المکر السیئ الا بأھله﴾ (۱۳۹)(اور برا مکروفریب مکر کرنے والوں ہی پر لوٹ آتا ہے) کی شراب ان کی عقل کے پیالے میں انڈیل دیتے ہیں۔

تم نے سنا ہوگا کہ اس زمانے میں بعض نامور رؤساء کی بلند ہمتی سے سنت وفقہ سنت پر عمل کی موجیں ولہریں کہاں سے کہاں تک دراز ہو چکی ہیں، اور اس میدان کے سر برآوردہ شہ سواروں نے عرب سے عجم تک کو مسخر کر لیا ہے، ہر زمانے میں مخالفین کتاب وسنت کی طرف سے سیکڑوں کتابیں اور ہزاروں رسالے ہر زبان ورنگ میں تالیف ہو کر یہاں وہاں اور فلاں فلاں سمت وجہت تک پہنچائی جاتی ہیں، اور ان کی ترویج واشاعت میں بے پناہ کوششیں کی جاتی ہیں، پھر بھی ان کے ہاتھ سے کوئی کام کی چیز انجام نہیں پاتی، اور نہ دل کی گرہ کھلتی ہے۔

گرہ زابروے خود وا نکرد قاتل من
شہید ایں دو کماں مہر ست بسمل من

(میرا قاتل اپنے ابرو کی گرہ نہیں کھول سکا، بس ان دو آبرؤں کا مقتول ہونا میرے عاشق کی مکاری ہے)

غرباء اسلام

ان کے برخلاف ایک مٹھی غرباء اسلام ہیں، جنہیں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے خوش خبری دی گئی ہے:

"طوبى للغرباء، وهم الذين يصلحون ما أفسد الناس من بعدي من سنتي" (۱۴۰)

(۱۳۸)سورہ آل عمران:۱۱۹۔ (۱۳۹)سورہ فاطر:۴۳۔ (۱۴۰)ترمذی ایمان:۶۵، ۲۷، حسن۔

(غرباء کے لئے خوش خبری ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو میری اس سنت کی اصلاح کریں گے جسے لوگوں نے میرے بعد بگاڑ دیا ہے)

یہ غرباء ہزاروں مصائب اور سیکڑوں مشقتوں کے ساتھ ہر عربی وفارسی علاقوں میں سرگرمی کے ساتھ جلوہ افروز ہیں، اور روز بروز بڑھتے اور ترقی کرتے جارہے ہیں، یہ دلائل نبوت اور معجزات رسالت میں سے ایک زبردست معجزہ ہے کہ ان لوگوں کے وجود سے پہلے ان کے نمود وظہور کی نشان دہی کردی ہے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

"انه سيكون في آخر هذه الأمة قوم لهم مثل أجر أولهم، يأمرون، بالمعروف وينهون عن المنكر، ويقاتلون أهل الفتن" (۱۴۱) رواه البيهقي في دلائل النبوة عن عبدالرحمن بن العلاء الحضرمي۔

(اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جن کو اول امت کے مثل اجر ملے گا، یہ لوگ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کریں گے، اور فتنہ پردازوں سے لڑیں گے)

اس حدیث کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں عبدالرحمٰن بن علاء حضرمی سے روایت کیا ہے۔

ظاہر ہے اس حدیث کا مصداق اس امت میں اہلحدیث کے سوا دوسرا نہیں ہے، کیونکہ اولین کے ساتھ مماثلت ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ قول وعمل میں اولین کی طرح مماثلت نہ ہو، اور اولین کے مماثل ومشابہ صرف یہی محدثین کی مختصر جماعت ہے، کیونکہ ان کا عقیدہ وعمل اولین کے موافق ہے، ان کے برخلاف مقلدین تو متقدمین کی روش سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں، کون سا معروف ونیک کام ایسا ہے جو سنت پر عمل اور طریقۂ رسالت کی طرف دعوت خلق سے بالاتر ہوگا، یہ عظیم کام ہر زمانے میں اہل حدیثوں کے ہاتھ، زبان اور دل سے نمایاں ہوتا رہتا ہے، اور کون سا منکر وبرا کام تقلید سے بدتر ہوگا جو قرآن وحدیث پر عمل کی عمارت کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

(۱۴۱) مشکاۃ المصابیح مناقب: ۶۲۸۰، سکت علیہ الالبانی۔

حدیث میں مذکور پیش گوئی کے مطابق اہل فتن سے مقابلہ کرنا عام بات ہے، یہ مقابلہ ہتھیار سے بھی ہوتا ہے، اور زبان ودل سے بھی، کیونکہ یہ تینوں صورتیں جہاد فی سبیل اللہ کے افراد میں سے ہیں، تاکہ وقت وحالات کے مناسب طالب جنت کو کوئی ایک آلہ جہاد میسر رہے، اور بروقت کام میں لائے، اس کی تائید حدیث ذیل سے ہورہی ہے:

"من جاهدهم بلسانه فهو مومن ومن جاهدهم بقلبه فهو مؤمن" الحديث۔ (۱۴۲)

(جس نے اپنی زبان سے ان سے جہاد کیا وہ مومن ہے، اور جس نے اپنے دل سے جہاد کیا وہ مومن ہے)

علی بن مدنی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، انہوں نے "لا تزال طائفة من أمتي منصورين" کی تفسیر میں کہا ہے کہ اس سے مراد اہلحدیث ہیں:

حدیث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أي الخلق أعجب اليكم ايمانا؟ قالوا: الملائكة، قال: وما لهم لا يؤمنون وهم عند ربهم؟ وقالوا: فالنبيون، قال: ما لهم لا يؤمنون والوحي ينزل عليهم؟ قالوا: نحن، قال: وما لكم لا تؤمنون، وأنا بين أظهركم؟ قال: فقال رسول الله ﷺ: ان أعجب الخلق الي ايمانا لقوم يكونون من بعدي يجدون صحفا فيها كتاب يؤمنون بما فيها" (۱۴۳) رواه البيهقي في دلائل النبوة۔

(رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے سوال کیا کہ تمہارے نزدیک مخلوق میں سب سے زیادہ پسندیدہ ایمان والے کون ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: فرشتے ہیں، آپ نے فرمایا: ان کے لئے کیا بات ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں، جب کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں؟ صحابہ نے کہا: پھر انبیاء علیہم السلام سب سے بہتر ایمان والے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ان کے لئے کیا بات ہے

(۱۴۲) مسلم ایمان: ۵۰۔ (۱۴۳) مشکاۃ مناقب: ۶۲۷۹، اسنادہ ضعیف۔

کہ وہ ایمان نہ لائیں، جب کہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ پھر ہم ہیں، آپ نے فرمایا: تمہارے لئے کون سی بات ہے کہ ایمان نہ لاؤ، جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (یعنی فرشتوں، نبیوں اور صحابہ کا بہتر ایمان والے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے) پھر آپ نے فرمایا: مخلوق میں سب سے زیادہ بہتر و حیرت انگیز ایمان والے میرے نزدیک وہ لوگ ہیں جو میرے بعد آئیں گے، وہ صحیفوں کو پائیں گے جن میں دینی احکام لکھے ہیں، پس وہ لوگ ان میں موجود دینی امور پر ایمان لائیں گے۔ (اس حدیث کو بیہقی نے دلائل النبوۃ میں روایت کیا ہے)

اس حدیث میں قوم سے مراد جماعت اہلحدیث ہے، اور صحف سے مراد مصحف قرآن یا حدیث ہے، کیونکہ ایمان انہیں دونوں پر منحصر ہے، آں حضرت ﷺ جو بھی ارشاد فرماتے ہیں، وہ خالص دین کے حق میں ہوتا ہے، آپ ایسی کوئی بات نہیں فرماتے جس کا رخ فقہاء، متکلمین، مجادلین، مقلدین اور متصوفین کی طرف ہو، کیونکہ یہ سب مقصود سے کنارے ہیں۔

حدیث مذکور میں لفظ ''بعدی'' سے دو طرح کی بعدیت مراد ہو سکتی ہے، اگر بعدیت قریبہ متصلہ (یعنی آنحضور کی وفات سے متصل زمانہ) مراد لی جائے تو اس کا مصداق قرون مشہود لہا بالخیر کے لوگ ہوں گے، اور وہ لوگ بھی جو ان کے طریقوں پر چلنے والے اہلحدیث و متبعین سنت ہیں، اور اگر بعدیت بعیدہ منفصلہ (یعنی آنحضور کی وفات سے منفصل زمانہ) مراد ہو تو اس کا مدلول محدثین ہیں، بالخصوص آخر زمانہ تک کے محدثین ہیں، چاہے جس جگہ اور جس قوم و نسل سے ہوں، اس کی مؤید انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، جو ترمذی میں مرفوعا اس لفظ کے ساتھ مروی ہے۔

" مثل أمتي مثل المطر لا يدري أوله خير أم آخره"۔ (۱۴۴)

بعد میں آنے والوں کے حق میں یہ بشارت و خیریت اس وجہ سے ہے کہ صدر اول کے زمانے میں سنت پر عمل آسان تھا، سب کی روش اور طریقۂ کار ایک تھا، لیکن آخر زمانے

(۱۴۴) تقدم برقم: ۷۷۔

میں سنت پر عمل دشوار ہے، کیونکہ ہر ایک نے اپنی الگ راہ اختیار کر رکھی ہے، اور اپنے مخالف کی جان وآبرو کا دشمن ہو گیا ہے، بلکہ ہر ایک دوسرے کے در پے آزار ہے، اسی لئے فساد امت کے وقت اہلحدیث اور متبعین سنت کی مدح وستائش اور اچھے وعدوں کے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں، یہاں تک کہ ایک حدیث میں آیا ہے۔

"من تمسك بسنتي عند فساد أمتي فله أجر مائة شهيد" (۱۴۵)

(جس نے فساد امت کے وقت میری سنت پر عمل کیا اس کو سو شہید کا اجر ہے)۔

اس آخری زمانے کے لوگوں میں سے جو شخص علم سنت کی خدمت، حدیث نگاری اور اس کی اشاعت کرنے والا ہے، اس کے بارے میں شک نہیں ہے کہ وہ زمانے کا رستم دستان اور اپنے وقت کا سام ونریمان ہے۔ (۱۴۶) کیونکہ وہ اپنے پیچھے بہت سے حاسدین اور دشمن رکھتا ہے، لیکن ؎

گر دوست موافق ست سعدی

سہل ست جفاء ہر دو عالم

(اے سعدی اگر دوست موافق ہے تو دونوں جہاں کا ظلم وجور آسان ہے)

تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ اس آخری دور میں جس طرح یمن کے علماء ومحدثین کے ہاتھوں سے اور اسی طرح ان کے تلامذہ کی کوششوں سے احیاء سنت کی جو خدمت ہوئی ہے، اس کی مثال بہت سے ادوار میں نہیں پائی جاتی ہے: ﴿وذلك فضل الله يؤتيه من يشاء﴾ اور ایسا کیوں نہ ہو کہ سرور عالم سید ولد آدم نے فرمایا ہے: "الايمان يمان، والحكمة يمانية، والفقه يمان" (۱۴۷) (ایمان اہل یمن کا ہے، حکمت وسنت یمنیوں کی ہے اور فقہ وفہم بھی یمن والوں کی ہے)

اس حدیث میں قرآن وحدیث اور فقہ کو یمن میمون کی طرف منسوب فرمایا ہے، یہ بھی

---

(۱۴۵) الترغیب للمنذری ۱/۴۱، بروایۃ البیہقی، الکامل لابن عدی ۲/۹۰ ضعیف جدا، الضعیفۃ ۱/۳۳۳۔

(۱۴۶) رستم مشہور پہلوان کا نام ہے اس کے باپ کا نام دستان اور دادا کا نام سام ونریمان ہے۔

(۱۴۷) بخاری، مغازی: ۴۳۸۸، ۴۳۹۰، مسلم ایمان: ۵۲۔

دلائل نبوت میں سے ایک دلیل ہے کہ خبر، واقعہ کے مطابق پڑی ہے، وللہ الحمد۔

مقصد کتاب (حرف آخر)

الحاصل اس رسالہ کے لکھنے سے مقصود اسی معنی کا بیان کرنا ہے کہ جماعت اہلحدیث پر جو یہ الزام وگمان عائد کیا جاتا ہے کہ یہ لوگ ائمہ اربعہ مجتہدین اور دوسرے علماء دین، متقدمین سلف صالحین یا متاخرین متبعین کے حق میں بے ادبی کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ مخلص مومنوں پر محض افترا اور بدگمانی ہے، ورنہ ان ائمہ وغیرہم کی قدر ومنزلت جس قدر جماعت موحدین کی نظر میں ہے، اس کا دسواں حصہ بھی فرقہ مقلدین میں ثابت نہیں ہونا ہے، یہ کس قسم کی بات ہوسکتی ہے کہ جو شخص سید المرسلین کی احادیث کا انکار کرکے آپ ﷺ کے حق میں گستاخی کرتا ہے، اور آپ کی سنت صحیحہ پر عمل کرنے کو مجتہدین ومجادلین کی قیل وقال کے مقابلے میں پسند نہیں کرتا ہے، اس سے ائمہ دین کی تعظیم وتکریم کی توقع کہاں ہوسکتی ہے؟

بفرض محال اگر عاملین سنت ائمہ کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں تو آخر اسی وجہ سے دیکھتے ہیں کہ احکام ومسائل میں احادیث سے ائمہ کا اختلاف انہیں معلوم ہو گیا ہے، اگرچہ حریف مقابل ان کی اس وجہ کو عصبیت وجہالت کی بنا پر قبول نہ کرے، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی بہانہ نہیں ہے، پس یہ تحقیر مقلدین کی اس تحقیر کی نسبت بہت معمولی وقلیل ہے جو قرآن وحدیث کی شان میں کرتے ہیں اور دن ورات احادیث صحیحہ سے ثابت مسائل کے رد وانکار میں لگے رہتے ہیں ع

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

ائمہ مجتہدین سے جناب شفیع المذنبین ﷺ تک جو فرق ہے، مسلمانوں کے کسی فرد پر مخفی نہیں ہے،، بجز اس کے جو مادرزاد اندھا ہو، اور اس کی بصیرت کی آنکھ باطل پڑی ہو، سنن سید المرسلین ﷺ کی اتباع سے مقلدین کا انکار واجتناب ایسی حقیقت ہے جو ہر ایک موافق ومخالف پر ظاہر ہے، اور اس کا انکار کرنا محض مکابرہ ومجادلہ ہے، اگر اس باب میں مقلدین کا انکار ثابت ہے تو اہلحدیث نے کیا گناہ کیا ہے کہ ان کی بات ائمہ مجتہدین کی بے ادبی سے کنارہ کشی میں مقبول نہیں ہے۔

الٰہی دیدۂ تحقیق دہ ہر ایک مقلد را   چو عینک تا بکے ہر سو بچشم دیگراں بیند

(اے اللہ ہر ایک مقلد کو نگاہ تحقیق عطا کر، عینک کی طرح دوسروں کی آنکھ سے ہر طرف کب تک دیکھتا رہے گا)

یہ اس کتاب کی آخری باتیں ہیں، میں اللہ تعالی سے التجا کرتا ہوں کہ اس کتاب کے لکھنے میں ہم سے جو سہو ولغزش ہوئی ہو اس کو درگذر فرمائے، جیسا کہ ابن ماجہ اور بیہقی کی صحیح حدیث میں جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"ان اللہ تجاوز عن أمتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیه" (۱۴۸)

(اللہ تعالی نے میری امت کی خطا ونسیان کو اور زبردستی کرائے گئے گناہ کو معاف کردیا ہے)

میں نے اس مختصر کتاب کا نام "جلب المنفعة فی الذب عن الأئمة المجتهدین الأربعة" رکھا ہے۔

بادشاہ عالم درویشم   مہر بر پائین فرمان می زنم

(شاہ جہاں کا میں فقیر کامل ہوں، زیر فرمان پر مہر مارتا ہوں)

والحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات، والصلاة والسلام الأتمان الأکملان علی سید الکائنات، وعلی آله وصحبه ومحدثی ملته ومتمسکی سنته، لاسیما الأئمة الأربعة المجتهدین من أمته أصحاب الصالحات الباقیات۔

۱۳۰۰ھ   ۱۸۸۳ء

تم الترجمة بالأردیة فی ۲۳ / ۱ / ۱٤۲۸ ھ = ۱۲ / ۲ / ۲۰۰۷ م
ولله الحمد والمنة۔

+++

(۱۴۸) ابن ماجہ الطلاق: ۱/ ۶۵۹ (ضعیف)۔

مکتبہ الفہیم مئوناتھ بھنجن کی نئی مطبوعات

نام کتاب	مصنف/مترجم	صفحات	قیمت
عیسائیت، تحلیل وتجزیہ	پروفیسر ساجد میر	480	178/=
فقہ الحدیث اردو ۲ جلدیں	علامہ شوکانی، علامہ البانی	1568	700/=
شریعت وطریقت (مجلد)	مولانا عبدالرحمٰن کیلانی	528	198/=
عورتوں کے امتیازی مسائل (مجلد)	حافظ صلاح الدین یوسف	320	130/=
فکر اقبال (علامہ اقبال کے فارسی کلام پر علمی تبصرہ)	ابن احمد نقوی	256	160/=
بلوغ المرام مع شرح اتحاف الکرام (اردو)	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	۲ جلدیں	350/=
ریاض الصالحین (اردو) ۲ جلدیں	مترجم حافظ صلاح الدین یوسف	1328	350/=
الرحیق المختوم (اردو)	مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری	786	195/=
بدعت کی حقیقت	علامہ ابن باز، ماہر القادری، عامر عثمانی	288	110/=
ائمہ عظام کی جانب منسوب غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ	علامہ ابن تیمیہ	112	50/=
الفرقان بین اولیاء الرحمٰن والشیطان (اردو)	علامہ ابن تیمیہ	300	120/=
شرح البلاغۃ الواضحۃ (اردو)	مولانا ضیاء الحسن سلفی	384	150/=
رسومات محرم الحرام اور سانحہ کربلا	حافظ صلاح الدین یوسف	120	40/=
سنت رسول کیا ہے اور کیا نہیں؟	مولانا عاصم الحداد	80	35/=
فتاویٰ علامہ اسمٰعیل گوجرانوالہ	شیخ الحدیث علامہ اسمٰعیل گوجرانوالہ	256	120/=
فضیلت بیت المقدس وفلسطین	حافظ محمد اسحٰق زاہد	256	75/=
مقدس رسول	علامہ ثناء اللہ امرتسری	120	45/=
یا اللہ مدد	حافظ صلاح الدین یوسف	128	50/=
کیا نبی اکرم کی منسوب یہ واقعات صحیح ہیں	ذاکر عباس مدنی	80	38/=
مسئلہ امام مہدی آخر الزماں	مولانا محفوظ الرحمٰن فیضی	128	60/=

عورت کی شخصیت کے ایسے تمام پہلو جن میں اس کی ذہانت، شجاعت، تقویٰ، پرہیزگاری اور بہادری ظاہر ہوتی ہو، اس کتاب کی زینت ہیں، جن کے مطالعے سے نہ صرف تمام خواتین اور بچیوں میں بہتری کا ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہوگا بلکہ مطالعہ کرنے والے مردوں کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ شجاعت، ذہانت اور صبر و تحمل کی صفات کس طرح بھرپور انداز میں عورتوں میں بھی موجود رہتی ہیں۔

اس کتاب میں نبی ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نامور مسلم حکمرانوں اور قاضیان کرام کے وہ فیصلے شامل کیے گئے ہیں جن سے دنیا میں عدل و انصاف کی سنہری روایات قائم ہوتی ہیں اور آنے والے حکمرانوں، قاضیوں اور ججوں کو ان سے گراں قدر رہنمائی ملتی ہے، ان تابندہ روایات اور واقعات کو اس لئے بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے میں صالح اقدار پھر سے فروغ پائیں اور عوام اسلام کے انفرادی و اجتماعی عدل کی برکتوں ... ہوسکیں

مسلک سلف صالحین کے فروغ کے لئے کوشاں

ہماری بعض اہم